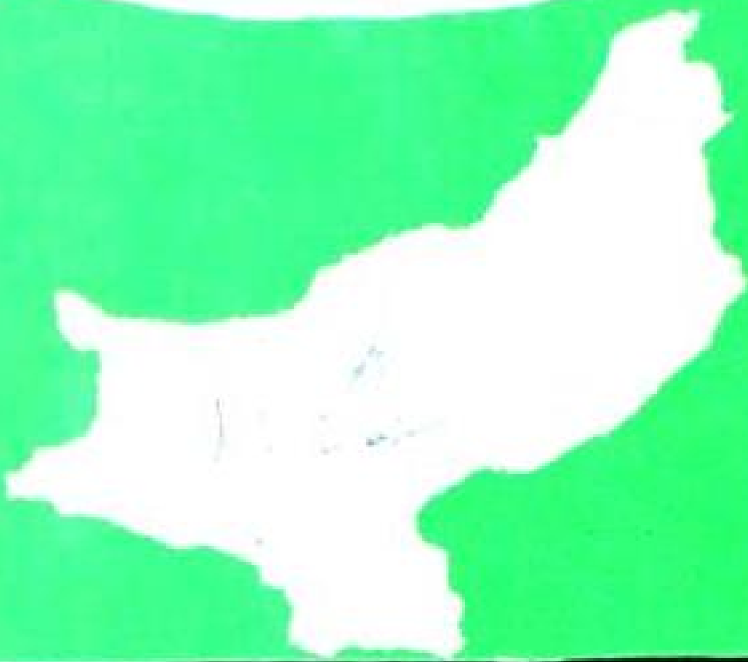
میرا پاکستان



ذوالفقار علی بھٹو



پھانسی کی کوٹھری میں لکھی گئی

ذوالفقار علی بھٹو

کی آخری تحریر

میرا پاکستان

اشاعت: پہلی بار ــــــــــ جولائی ۱۹۷۹ء

قیمت: ــــــــــ بیس روپے
RS 20/-

•●

طابع وناشر: بیسویں صدی پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)

مطبوعہ: شالیمار آفسیٹ پریس کوچہ چیلان نئی دہلی



یہ اس سربلند شہید کے الفاظ ہیں جس نے دلیری کے ساتھ موت کو قبول کر لیا لیکن جو ناانصافی ختم کرنے، اپنی سرزمین کے غریبوں کو وقار، عزت اور آزادی فراہم کرنے کی اپنی زندگی بھر کی جدوجہد سے دست بردار نہیں ہوا۔

ظالم اور فوجی حکومت نے جس بے رحمی اور بربریت کے ساتھ ان کو قتل کیا اس سے پوری دنیا میں نفرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جس خوش اسلوبی اور وقار کے ساتھ انھوں نے سارے مظالم اور ذلت کو برداشت کیا وہ ایک بہتر، زیادہ باعزت اور پروقار زندگی کی جدوجہد کرنے والے دنیا کے غریب عوام کے لیے باعثِ افتخار ہے اور مثالی حیثیت رکھتا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی زندگی کو غریبوں اور مظلوموں کے دکھوں کا مداوا کرنے اور اپنے غریب ملک کے فرزندوں کے آنسو خشک کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ان کی موت سے ایک قوم یتیم ہو گئی۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ ان کے قتل سے تمام فرزندانِ پاکستان کی آنکھیں اشکوں سے تر ہو گئیں۔

میر مرتضیٰ بھٹو

میرا پاکستان

سلسلہ کی پہلی کڑی "میرے قتل کے بعد"

ذوالفقار علی بھٹو نے

پھانسی کی کوٹھری میں یہ کتاب لکھ کر اپنی بے گناہی

کا آخری ثبوت دیا ہے

ہنگامہ خیز سیاسی و تاریخی دستاویز

میرے قتل کے بعد

فوٹو آفسیٹ کی طباعت

قیمت بیس روپے

منگانے کا پتہ

بیسویں صدی پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر ۱۳/۱۷ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

یہ کتاب "میرا پاکستان" پاکستان کے وزیراعظم مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی غیر قانونی اور ناجائز حراست کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں ۶ مارچ ۱۹۷۸ء کو داخل کی گئی آئینی عذرداری پر مبنی ہے۔ جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت کی جانب سے عدالت میں ان کے خلاف جو الزامات لگائے گئے تھے، یہ عذرداری اس کی جواب دہی کی صورت میں پیش کی گئی تھی۔

یہ ایک اہم ترین سیاسی دستاویز ہے جو پاکستان کی سیاسی تاریخ کا قیمتی جزو ہو گی۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ۳۰۰ صفحات کا جو مواد خود اپنے قلم سے تیار کیا تھا وہ پاکستان سے لندن اسمگل کیا گیا، اس کا دیباچہ مسٹر بھٹو کے بڑے صاحبزادے مسٹر میر مرتضیٰ بھٹو نے تحریر کیا ہے۔ "قوم کے معمار" کے عنوان کے تحت پھانسی کے واقعات کا بیان "مقدمہ کا قتل" اور جسٹس انوار الحق کے نام بیگم نصرت بھٹو کے خط نے اس کتاب کی دلچسپی میں اضافہ کیا ہے اور اسے مزید معلوماتی بنایا ہے، اس کتاب کی اشاعت پاکستان میں اب بھی ممنوع ہے۔

پاکستان کے سابق صدر اور وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس میں اپنی روداد بیان کی ہے اور جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت کی اس سازش کا پردہ فاش کیا ہے جو اس نے مسٹر بھٹو کی آئینی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے تیار کی تھی۔ اپنی عذرداری میں انھوں نے اپنی حراست کو غیر قانونی اور بدنیتی پر مبنی قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس ڈرامہ کا پول کھولا ہے اور اپنے خلاف لگائے گئے الزامات کے کھوکھلے پن کا پردہ فاش کیا ہے۔ مسٹر بھٹو کا کہنا ہے کہ یہ سب ایک بہت بڑی سازش کا حصہ تھا اور انھیں ایک عالمی سازش کا شکار بنایا گیا۔ اس سازش کے مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے

ان کے خلاف جھوٹے، گھناؤنے اور انتہائی نامناسب الزامات تراشے گئے۔ یہ سازش ان کے خلاف اس لیے کی گئی کیونکہ انھوں نے اپنے ملک کے اہم مفادات کے بارے میں کسی قسم کا بھی سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مسٹر بھٹو نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ محض دو صفحات پر مشتمل گھناؤنی رپورٹ کس طرح سے ان کے تمام کارناموں پر پانی پھیر سکتی ہے جنھوں نے پاکستان اور اس کے عوام کی بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ انھوں نے موجودہ حکمرانوں مولانا مودودی اور ان کے حلقہ بگوشوں، ولی خاں، بروہی اور دوسروں کے چہروں سے جھوٹی نقابیں اتار پھینکی ہیں کیونکہ یہ لوگ بنیادی طور پر قیامِ پاکستان کے نظریہ کے ہی مخالف تھے۔

ناشر

قوم کا معمار

پاکستان کے لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کو جب تک موجودہ فوجی حکمرانوں نے قتل نہیں کر دیا وہ قوم کی تعمیر کرتے رہے، جیسا کہ انھوں نے جیل کی کوٹھری میں ایک دستاویز میں خود لکھا ہے "میں ایک قوم کی تعمیر کرنے، عوام کی خدمت کرنے اور آنے والی تباہی کو روکنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔ میں موت کی کوٹھری میں دم توڑنے اور احسان فراموش اور ظالم شخص کے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لیے پھانسی کے تختہ پر چڑھنے کے لیے پیدا نہیں ہوا تھا، میں عوام کو نجات دلانے اور انھیں خودداری اور وقار عطا کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔"

ذوالفقار علی بھٹو شعوری طور پر تاریخ میں ایک نیا باب لکھ رہے تھے، وہ

اپنے پیچھے اپنے ملک کی ترقی کی صورت میں ایک وراثت چھوڑ جانا چاہتے تھے۔ ان کی جنگ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بنک کی پالیسیوں کے خلاف تھی جو ترقی پذیر ممالک کی پسماندگی میں مزید اضافہ کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔ پوری ترقی پذیر دنیا کے لیے ایک نئے عالمی اقتصادی نظام کی جدوجہد میں وہ پیش پیش تھے۔

بھٹو نے جس وقت ملک کی باگ ڈور سنبھالی اس وقت ان کے سامنے ایک خصوصی اور عظیم مرحلہ تھا —— یعنی ایک مستحکم پاکستان کی تعمیر۔ اس سے قبل کسی نے یہ مرحلہ اپنے سر نہیں لیا تھا۔ پاکستان وہ ملک تھا جس کی کوئی انفرادیت نہیں تھی۔ برطانوی حکومت نے پاکستان کو برصغیر ہند میں سے کاٹ کر نکالا تھا۔ برصغیر کی آزادی کے وقت برطانوی حکومت نے یہاں مشرقِ وسطیٰ کی جیسی صورت حال پیدا کرنے کے لیے اس علاقہ کو تقسیم کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ یہاں اس صورت سے اپنی دسترس قائم رکھی جائے۔

آزادی کے بعد ایک جانب ہند کو جنگ آزادی کے عظیم انسانیت پرست لیڈر جواہر لال نہرو کی قیادت میسر آئی لیکن دوسری جانب ۱۹۴۷ء میں آزادی ملنے کے بعد پاکستان نے اپنے قائد اعظم محمد علی جناح کو جلد ہی کھو دیا۔ آئندہ تیس سال کے عرصہ میں پاکستان میں عدم استحکام، قتل و غارت اور فوجی بغاوتوں کا دور دورہ رہا۔ پاکستان کو مغربی طاقتوں کے محض جغرافیائی مہرے کی صورت سے استعمال کیا جاتا رہا، جس کی قیادت امریکہ اور برطانیہ کے ہاتھ میں تھی۔ خود ذوالفقار علی بھٹو برطانوی سامراجیت کے خلاف عظیم جدوجہد کی پیداوار تھے اور لیڈرشپ کے اس خلاء کو پُر کرنا چاہتے تھے جسے پاکستانی فوج کے جنرل اپنی نااہلی اور حماقت کی بنا پر پُر نہیں کر سکے تھے۔

بھٹو اس وقت برسرِ اقتدار آئے جب ۱۹۷۱ء میں پاکستان سب سے بڑے بحران سے دوچار تھا اور پاکستان کے فوجی جنرلوں کی قتل و غارت گری کے نتیجہ میں آخرکار پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا —— مشرقی پاکستان کی جگہ ایک

نیا ملک بنگلہ دیش عالم وجود میں آچکا تھا۔

۱۹۶۷-۶۸ء میں بھٹو نے جنرل ایوب خاں کی فوجی حکومت سے کنارہ کشی کرلی جس میں وہ کئی سال تک شامل رہ چکے تھے اور بحیثیت وزیر داخلہ بھی کام کرچکے تھے۔ اس وقت انھوں نے پاکستان عوامی پارٹی قائم کی جو پاکستان کی تاریخ میں سب سے بڑی عوامی پارٹی تھی۔ ایوب خاں نے انھیں جیل میں بند کردیا لیکن وہ سلامت رہے اور اس انقلاب میں مدد کی جس نے ۱۹۶۸ء میں ایوب خاں کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ دسمبر ۱۹۷۰ء میں پاکستان کے پہلے جمہوری انتخابات میں بھٹو اور پاکستان عوامی پارٹی نے مغربی پاکستان میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ مشرق میں عوامی لیگ کے شیخ مجیب الرحمن نے ایسی ہی کامیابی حاصل کی۔ لیکن فوجی مداخلت، پاکستان کی دونوں پارٹیوں کے شدید باہمی عدم اعتماد اور وقت کی نباضی میں خود بھٹو کی غلطیوں کی وجہ سے نئی حکومت میں اقتدار کی تقسیم کی کوششیں ثمر بار نہ ہوسکیں۔

چھوٹی جھڑپوں سے قطع نظر ہندوستان اور پاکستان تیسری مرتبہ پھر جنگ کے میدان میں آمنے سامنے آئے، یہ وہ جنگ تھی جس میں امریکہ، چین اور دیگر طاقتوں کی مداخلت کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ پاکستان کو شکست ہوئی اور ملک ٹوٹ گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب مغربی حصہ کو بھی متحد رکھنا ممکن نہیں نظر آتا تھا جہاں مغربی پاکستان کے صوبہ پنجاب (جس کا ملک میں غلبہ تھا)، سندھ (بھٹو کا آبائی وطن)، بلوچستان اور اور شمالی مغربی سرحدی صوبوں میں افتراقیت زوروں پر تھی۔

پاکستان کی تاریخ کے تاریک ترین دور میں ملک کی نجات کو بھٹو سے منسوب کرنا بالکل حق بجانب ہے، جیساکہ فرانس کے صدر گسکارد دی استنگ نے کہا ہے کہ "یہی وہ شخص تھا جس نے پاکستان کو اس کی تاریخ کے ایک ڈرامائی دور میں نجات دلائی۔"

بھٹو، اپنے ملک میں مقصدیت کا شعور پیدا کرنا چاہتے تھے اور اس کے مستقبل کو مستحکم بنانا چاہتے تھے۔ ان کے دور اقتدار کے ابتدائی برسوں میں حاصل کی گئی اہم کامیابیوں میں مشہور شملہ معاہدہ بھی شامل ہے جس پر مسز گاندھی کے ساتھ اگست ۱۹۷۲ء میں دستخط

کیئے گئے تھے۔ یہی وہ معاہدہ تھا جس نے پہلی مرتبہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان قیام امن کی مستحکم بنیاد کی توقعات پیدا کیں۔ اس کے علاوہ صنعت سازی کے ذریعہ پاکستان کی معیشت کی تعمیر نو، ایٹمی توانائی اور توانائی کے دیگر وسائل کی ترقی، بڑے پیمانہ پر آراضی کی اصلاح، زرعی ترقی اور ان بائیس خاندانوں (خانی نظام) کے چنگل سے معیشت کو نکال کر عوامی بنانا جو برطانوی سامراج کے دور سے اجارہ دار کی حیثیت سے اس پر قابض چلے آرہے تھے اور آخر میں ۱۹۷۳ء میں اس آئین کا نفاذ جس نے پہلی مرتبہ پاکستان کو جمہوری نظام عطا کیا، وہ اہم اقدامات جو مسٹر بھٹو نے کیئے۔

اپنے اقتدار کے آخری دور میں بھٹو نے ان اقدامات سے آگے جست لگائی اور امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ پاکستان کے روایتی اتحاد کا رُخ موڑنا شروع کیا جیسا کہ سنٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن (سینٹو) میں ایران، ترکی اور برطانیہ کے ساتھ پاکستان کی رکنیت سے ظاہر تھا۔ انھوں نے پاکستان کو دولت مشترکہ سے علیحدہ کر کے ناوابستہ گروپ کی جانب بڑھانا شروع کیا۔ روس کے ساتھ تعلقات بڑھانا شروع کیئے۔ (جبکہ چین کے ساتھ عرصہ سے پاکستان کے قریبی تعلقات تھے) پڑوسی ممالک افغانستان ہندوستان اور ایران کے ساتھ تعلقات بہتر بنائے اور مشرق وسطیٰ میں عرب مقاصد کی پُرزور حمایت کی۔

بھٹو کی قیادت میں پاکستان ایک نئے عالمی اقتصادی نظام کا پُرزور حمایتی بنا اور خصوصیت سے ترقی پذیر ممالک کے قرضوں کی مکمل معافی کا سب سے شدید حامی بنا۔ اس مرحلہ پر مذاکرات کے لیے بھٹو نے خود تیسری دنیا کی ایک کانفرنس بلانے کی تجویز رکھی۔

۱۹۷۶ء میں نئے عالمی اقتصادی نظام کا معاملہ عالمی سیاست میں مرکزی حیثیت اختیار کر چکا تو بھٹو کے پاکستان کی پیش قدمی اور زیادہ واضح ہوگئی۔ ۱۹۷۶ء کے موسم بہار میں بھٹو نے فرانس کے ساتھ ایک معاہدہ مکمل کیا جو ان کی اہم ترین کامیابی تھی۔ اس معاہدہ کی رو سے پاکستان میں فرانس کو ایٹمی توانائی تیار کرنے کا پلانٹ تعمیر کرنا تھا۔

بھٹو کے نکتہ چینیوں نے یہ افتراپردازی کی کہ یہ کوشش محض ہندوستان کے ۱۹۷۴ء کے ایٹمی دھماکہ کے جواب میں ایٹمی اسلحہ تیار کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے کی گئی تھی لیکن یہ بات واضح ہے کہ نہرو کے طرز پر پاکستان کی صنعت سازی کیلیے ایٹمی ایندھن فراہم کرنا اس کا اصل مقصد تھا۔ اس موقع پر بھٹو دو خطرناک اقدامات کے اٹھانے والے تھے یعنی سینٹو سے پاکستان کی علیحدگی (اس جاں بلب تنظیم کو چھوڑنے کے ایرانی فیصلہ کے نتیجہ میں یہ کام ہو چکا ہے) اور ڈرامائی انداز میں روس کے ساتھ تعلقات بہتر بنانا، جیسا کہ کراچی میں واقع پاکستان کے پہلے عظیم فولاد ساز کارخانہ کی تعمیر سے متعلق روسی امداد سے ظاہر ہے۔

یہی واقعات ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو فوجی بغاوت کے ذریعہ بھٹو کا تختہ الٹنے دو ماہ بعد فوج کے ذریعہ ان کے قید کیے جانے "قتل کی سازش" کے جھوٹے مقدمہ میں ان کو سزا دیے جانے اور اسی فوجی حکومت کے ذریعہ ان کے قتل کیے جانے کے براہ راست ذمہ دار تھے۔ یہ تمام واقعات جو بظاہر پاکستان کا داخلی معاملہ نظر آتے ہیں، ایک سوچی سمجھی بین الاقوامی سازش کا نتیجہ تھے۔

جولائی ۱۹۷۷ء کے پاکستان کے واقعات علاقائی حیثیت رکھتے ہیں جنھیں عدم استحکام پیدا کرنے کی بڑے پیمانہ کی کوششیں سمجھا جا سکتا ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس علاقہ کی اکائی کو ابھرنے سے روکا جائے جس کا مقصد اقتصادی تعاون کو فروغ دینا تھا اور جس کے نتیجہ میں علاقائی تنازعات پھیلا کر اپنا الو سیدھا کرنے کی برطانوی امریکی چالیں ناکام ہو جاتیں اور برطانوی دولت مشترکہ نظام کی باقی ماندہ نو آبادیات کا خاتمہ ہو جاتا۔

بھٹو کے خلاف کی جانے والی سازش اسی سلسلہ کی ایک لازمی کڑی ہے جس میں ایٹمی توانائی سے متعلق بھٹو کے فیصلے اور برصغیر میں تعلقات معمول پر لانے کے رجحانات کا مقصد پاکستان کو برطانوی امریکی مداخلت اور اتحاد کے چنگل سے نجات دلانا تھا۔ لیکن جیسا کہ بھٹو نے اپنی تحریر کردہ دستاویز میں اشارہ کیا ہے

کہ جہاں تک برطانوی امریکی حلقوں کا سوال ہے، فرانس سے ایٹمی توانائی کے پلانٹ کی خریداری، بھٹو کے اپنی حد سے تجاوز کرنے کی انتہا تھی۔

پاکستان کے ساتھ فرانس کے سودے کو روکنے نیز فرانس اور پاکستان پر دباؤ ڈالنے کے سلسلہ میں اس وقت کے امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر کی براہ راست مداخلت پر مسٹر بھٹو نے واضح روشنی ڈالی ہے۔ اس دستاویز میں بھٹو نے اس کہانی کا جزوی تذکرہ کیا ہے یعنی ۱۹۷۶ء کے اواخر میں کسنجر کے دورۂ پاکستان ہی کا زیادہ حوالہ دیا ہے اور اس حصہ کو چھوڑ گئے ہیں جو انھوں نے ۲۸ اپریل ۱۹۷۷ء کو عوام کے سامنے بیان کیا تھا۔ یہ ایک مشہور تقریر ہے جس میں انھوں نے اپنے خلاف بین الاقوامی سازش کا پردہ فاش کیا تھا۔ مسٹر بھٹو کے مطابق کسنجر نے ان سے کہا تھا کہ اگر وہ ایٹمی پلانٹ کے سودے اور اپنی دیگر پالیسیوں سے باز نہیں آتے تو وہ ان کو عبرت ناک انجام کو پہونچا دیں گے۔

مارچ ۱۹۷۷ء میں پاکستان میں قومی انتخابات ہوئے بھٹو کی پاکستان عوامی پارٹی نے اپنے حریف پر شاندار فتح حاصل کی جو پاکستان قومی اتحاد نام کے تحت مختلف پارٹیوں کا ایک بے جوڑ اتحاد تھا اور جس پر جماعت اسلامی کا غلبہ تھا۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ لیکن فوراً ہی ووٹنگ میں دھاندلی کرنے کے مقدمات دائر کیئے گئے اور غیر ملکی سرمایہ اور ہدایات کے تحت پاکستان قومی اتحاد نے مظاہرے شروع کر دیئے۔ یہ افراتفری پیدا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ فوجی مداخلت کا جواز پیدا کیا جائے اور بعینہ یہی سب کچھ جولائی ۱۹۷۷ء میں وقوع پذیر ہوا۔ وہی پرانا جواز کہ فوج تو صرف نظم و نسق بحال کر رہی ہے اور جلد ہی چھاؤنیوں میں واپس چلی جائے گی لیکن جواب تک نہیں ہوا۔

اس سازش کی کلید یہ ہے کہ اس میں مسلم اخوت کی رجائی قوتوں کا بھرپور استعمال کیا گیا جس کا تاریک سایہ ایران کے واقعات پر بھی چھایا ہوا ہے۔ اخوت کا مرکزی پیغام یہ تھا کہ بھٹو غیر اسلامی ہیں نیز یہ کہ ان کے طور طریقے بہت زیادہ مغرب زدہ ہیں۔

بھٹو مخالف مہم کا دار و مدار ملاؤں پر تھا حالانکہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ پاکستان

میں جماعت اسلامی کو ایک معمولی اقلیت سے زیادہ حمایت کبھی حاصل نہیں رہی۔

جماعت اسلامی اب ضیاء کی حکومت چلا رہی ہے۔ سسرالی رشتہ سے جنرل ضیاء الحق جماعت اسلامی کے چوٹی کے لیڈروں کے عزیز ہیں اور بحریہ کے نئے سربراہ بھی جماعت سے کافی قریب ہیں۔ حال میں ضیاء کا مرکزی خیال یہ رہا ہے کہ بڑی طاقت کا کردار ادا کرنے میں امریکہ ناکام نہیں رہا ہے اور وہ کھلے خزانہ کہتے ہیں کہ یہ خیال ہنری کسنجر کی دین ہے۔ جماعت بھی اس خیال سے متفق ہے جو افغانستان کے ساتھ پاکستان کو ایک بڑی محاذ آرائی کی راہ پر ڈھکیل رہی ہے اور ان افغان باغیوں کی حمایت کر رہی ہے جن کی سرپرستی مسلم اخوت کرتی ہے اور جو پاکستان سے افغانستان میں دہشت پھیلا رہے ہیں۔

اب پاکستان اس گندی سیاست کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھنے والا ہے۔ فوجی حکومت جو بھٹو نواز طاقتوں کو بے دردی سے دبانے اور انتخابات کے ذریعہ آئندہ نومبر میں جماعت کی حکومت قائم کروانے کی توقع رکھتی ہے۔ خود ہی اپنی چالوں کا شکار ہو جائے گی۔ باور کیا جاتا ہے کہ فوجی حکومت، ملک پر کنٹرول قائم رکھنے اور غیر پنجابی آبادی کے علیحدگی پسند رجحانات کو پنجابی فوج اور حکمران ٹولہ کے خلاف آواز اٹھانے سے روکنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ بلوچستان، شمالی مغربی سرحدی صوبہ اور حتیٰ کہ سندھ میں بھی سی آئی اے کے حلقے بغاوتیں کروائیں گے اور خود مختاری کا مطالبہ کروائیں گے جیسا کہ اب ایران میں ہو رہا ہے۔

پاکستان کی فوجی حکومت کو اب پاکستانی عوام کے غم و غصہ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جن میں سے اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اپنے رہنما ذوالفقار علی بھٹو کی یاد اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ پاکستانی فوج کے جو عناصر اب تک حالات کا رخ دیکھ رہے تھے، صورت حال کو قابو میں لانے کے لیے ضیاء کا تختہ الٹ دیں۔ پاکستان کی فاشسٹ حکومت کے پاس اب کوئی چال باقی نہیں ہے ـــــ اس وقت اصل سوال یہ ہے کہ آیا خود پاکستان کو تباہی سے بچایا جا سکتا ہے اور کیا برصغیر کو بچھر

سے امن اور ترقی کی ان پالیسیوں پر گامزن کیا جا سکتا ہے جن کے لیے ذوالفقار علی بھٹو زندگی بھر کوشش کرتے رہے اور اسی کے لیے موت کو گلے لگا یا۔

اپنی زندگی میں بھٹو اپنے مقاصد کی تکمیل نہ کر سکے۔ خواہشات ان کی ناکامیوں میں شامل نہیں بلکہ ان خواہشات کی تکمیل ان کی ناکامی ہے۔ ان کی موت کے بعد یہ مرحلہ دوسروں کے کاندھوں پر آگیا ہے جن پر لازم ہے کہ اسے تکمیل تک پہونچائیں۔

لاہور ہائی کورٹ میں

آئینی پٹیشن نمبر ۳۲، ۳ برائے ۱۹۷۷ء

بیگم نصرت بھٹو ــــــــــ درخواست گزار

۱۔ چیف آف آرمی سٹاف و چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

راولپنڈی ــــــــــ مدعا علیہ

۲۔ سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ جیل کوٹ لکھپت

لاہور ــــــــــ مدعا علیہ

مدعا علیہ نمبر ایک کی طرف سے اس معزز عدالت کے روبرو پیش کئے گئے مواد میں لگائے گئے الزامات پر جواب کی شکل میں نظر بند ذوالفقار علی بھٹو کا بیان حلفی۔

میں مذکورہ آئینی پٹیشن میں ذکر کردہ نظر بند ذوالفقار علی بھٹو، جو کہ فی الوقت ڈسٹرکٹ جیل کوٹ لکھپت لاہور میں زیرِ حراست ہے۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر درج ذیل بیان کرتا ہوں۔

۔ کہ میری غیر قانونی اور نامناسب نظر بندی سے رہائی کے لئے اس معزز عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔

۲۔ کہ میری نظر بندی کا طریقہ بھی میری نظر بندی کی طرح سے غیر قانونی اور بدنیتی پر مبنی ہے۔ اور میری درخواست ہے کہ مجھے نظر بندی کے اس طریقہ کے بارے میں بھی بیان دینے کی اجازت دی جائے۔

۳۔ کہ مارشل لاء کے ضابطہ ۱۲ کے تحت میری طویل نظر بندی کا جواز مہیا کرنے کے لئے مواد میں جو غلط، شرانگیز اتہام، غیر منصفانہ اور بے رحمانہ الزامات لگائے گئے ہیں۔ ان پر میری طرف سے سخت ترین تردید اور تفصیلی تبصرہ کی ضرورت ہے۔

مری میں حفاظتی حراست

۴۔ کو مارشل لا ر ۵ ، جولائی ۱۹۷۷ء کو نافذ کیا گیا تھا۔ اسی روز مجھے بادلوں میں گھری ہوئی مری کی پہاڑیوں پر نام نہاد "حفاظتی حراست" میں لے لیا گیا۔ مری میں میرے روزہ قیام کے دوران مدعا علیہ نمبر ایک جنرل ضیاء الحق نے مجھ سے دو بار ملاقات کی اور دو مواقع پر میرے ساتھ ٹیلی فون پر بھی بات کی۔ ملاقات کے دوران لیفٹیننٹ جنرل چشتی بھی موجود تھے۔ دونوں جنرل حسبِ سابق بڑے احترام اور نرمی بلکہ میں کہوں گا کہ تابعداری کے ساتھ پیش آئے۔ اُن کے ساتھ ہونے والی بات چیت اس لحاظ سے تو خوشگوار تھی کہ بظاہر اس میں تصادم کی صورت حال پیدا نہیں ہوئی۔ ان دنوں جنرل ضیاء نے خوشامدانہ انداز میں میرے لئے بعض تحسین آمیز کلمات کہے۔ ان کے ریمارکس غیر ملکی اخبارات میں شائع ہوئے اور وہاں سے انہیں ہمارے اخبارات نے بھی شائع کیا۔ "حفاظتی حراست" سے رہائی کے بعد ۲۹ جولائی ۱۹۷۷ء کو مجھے سیدھا لاڑکانہ بھیج دیا گیا۔ لاڑکانہ سے میں بذریعہ ٹرین کراچی گیا۔ اس کے بعد "مارشل لاء" حکام کے احکامات پر مجھے صرف جہاز کے ذریعے سفر کرنے کی اجازت دی گئی۔ اور ٹرین کے ذریعے سفر پر سختی کے ساتھ پابندی عائد کر دی گئی۔ میں کراچی سے ملتان اور ملتان سے لاہور آگیا۔ لاہور سے میں پشاور گیا اور وہاں سے کراچی واپس آگیا۔ ۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو مجھے لاہور میں ۱۱ نومبر ۱۹۷۴ء کو دفعہ تعزیرات ۳۰۲ اور ۱۲۰ بی پی پی سی کے تحت درج شدہ ایک ایف آئی آر کے تحت چھپ کر وار کرنے کے سنسنی خیز انداز میں کراچی

سے گرفتار کر لیا گیا۔

۵۔ مارشل لاء حکام نے تسلیم کیا کہ ۲۰ جولائی ۱۹۷۷ء تک میں ایک اچھا شہری تھا لیکن ۲۸ جولائی ۱۹۷۷ء کو نام نہاد "حفاظتی حراست" سے میری رہائی کے بعد سے میں اچانک ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہونا شروع ہو گیا۔ جو ان مقاصد کے جن کے تحت مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا۔ پاکستان کی سلامتی اور پُرامن حالات کے قیام کے منافی ہیں۔" ۲۸ جولائی ۱۹۷۷ء کو میرے ڈاکٹر جیکال سے مسٹر ہائیڈ میں تبدیلی کی بعض مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں بہت سے مبہم واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ الزامات غلط اور خود تیار کرائی گئی رپورٹوں پر مبنی ہیں۔ اس مواد کے ناقص اور کھوکھلے پن کو ظاہر کرنے کے لئے میں ان میں سے ہر ایک کی طرف بعد میں آؤں گا۔

۶۔ یہ ایک افسوسناک داستان ہے کہ ایک سابق منتخب صدر اور وزیر اعظم جو ابھی تک عظیم ترین قومی رہنما ہے۔ دو صفحات یا اس سے لگ بھگ کی بے ہنگم تحریر کی وجہ سے ایک غیر محب وطن فرد بن گیا ہے۔ جس کی سرگرمیوں سے پاکستان کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ صرف ۲۳ روز قبل میں پورے پاکستان کا انچارج تھا۔ صرف تین ہفتے قبل میں پاکستان کی سلامتی کا محافظ تھا۔ جس کی میں نے تعمیر کی اور ساڑھے پانچ برس تک اس کی حفاظت کرتا رہا۔ جولائی ۱۹۷۷ء کے اسی مہینے میں نہ صرف ملک کا وزیر اعظم بلکہ وزیر دفاع بھی تھا اور دفاعی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے پاکستان کا سپریم کمانڈر تھا۔ وہ شخص جس نے ساڑھے پانچ برس کے اندر پاکستان اور مسلح افواج کی تعمیر نو کی وہ راتوں رات اسی سلامتی کے لئے آسیبی خطرہ بن گیا۔ جس کی تعمیر اس نے بڑے جان جوکھوں کے بعد کی۔

فوج کے پاس کمبل تک نہیں تھے

۷۔ جب میں پاکستان کا صدر بنا تو شمالی علاقوں کے موروچوں میں ہمارے فوجیوں کے پاس کمبل تک نہیں تھے۔ سکردو کے محاذ پر بھارتیوں نے جھوٹی ہمدردی اور پراپیگنڈا کی غرض جنگ بندی کلائن کے پار سے ہمارے جوانوں کے لئے کمبل پھینکے۔ اور جب مجھے زبردستی محفوظ پاکستان باعزت اور باوقار پاکستان اور ایک ایسے پاکستان کے چارج سے ہٹایا گیا۔ جو خوراک میں خود کفیل ہو چکا تھا۔ تو میرے پاس ان مسلح افواج کا چارج بھی نہیں رہا۔ جن کو میں نے کٹی پھٹی فوج سے جدید ہتھیاروں اور میزائیلوں کے ساتھ بہترین جنگی قوت بنایا۔ کیا ایک تھانیدار کی گمراہ کن اور کسی کی تحریک پر تیار کی گئی رپورٹ بیس برس پر محیط پاکستان کے لئے کئے گئے بے مثال اور لاثانی کارناموں پر مبنی داستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کافی ہے؟ خیبر سے کراچی تک ہر پتھر پر لکھے ہوئے محنت اور عرق ریزی کے بیس برسوں کے مقابلے پر دو صفحوں کی تحریر ہے۔ اور صرف ۲ دنوں کے عرصے میں سولہ سال سے پچاس سال کی عمر تک ایک شخص کی پاکستان کے لئے جدوجہد دریا برد کر دی گئی ہے؟ ایک غاصب جو خود تسلیم کرتا ہے کہ پاکستان کے نصب العین کے لئے اس کی واحد خدمت نئی دہلی میں ڈان کی کاپیوں کی فروخت ہے۔ آخر وہ کس کی تذلیل کرنا چاہتا ہے؟ اس آدمی کی جو نہ صرف بیس روز قبل اس کا آقا اور سپریم کمانڈر تھا۔ بلکہ جو پاکستان کے نصب العین کے لئے الفنسٹن کالج بمبئی میں انتہا پسند کانگریسی مہاراشٹری طلبا کے حملوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ جبکہ دوسرا شخص نئی دہلی کے کناٹ پیلس میں ڈان کی چند کاپیاں تقسیم کر رہا تھا۔

"اللہ تو جلال تو قدرت کمال تو"

۸۔ یہ داستان اتنی طویل اور المناک ہے کہ اس حیثیت میں نہیں لکھی جا سکتی۔ نکتہ یہ ہے کہ اس امر کو تلاش کیا جائے کہ کیا دھوکہ دہی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ کیا صرف ایک شخص سے خدا کی طرف سے ودیعت کردہ اور عوام کی طرف سے تفویض کی گئی عزت اور صلاحیتوں کو چھیننے کے لئے جھوٹ کا پیغمبر، دھوکہ بازی کا معمار، دغابازی کا استاد، شر کا سوداگر بننا اور گمراہی کا لبادہ اوڑھ لینا ضروری ہے؟ میرا مقام ستاروں پر رقم ہے۔ میرا مقام بندگان خدا کے دلوں میں ہے۔ آج پاکستان کے عوام اپنے آپ کو تنہا اور کٹے ہوئے محسوس کر رہے ہیں۔ ان کے مسائل اور پیچیدہ ہو چکے ہیں۔ اُن کے دُکھ انتہا کو پہنچ گئے ہیں۔ وہ میرے لئے بے قرار ہیں۔ وہ میری قیادت کی ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ میں ان کی کمی محسوس کر رہا ہوں اور اُن کے لئے میرے احساسات کی انتہا کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تکلیف میں ہیں۔ اور ان کے لئے میں درد و کرب کا شکار ہوں۔ ۲، جنوری ۱۹۷۸ء کو ملتان میں قتل عام نے مجھے دُکھی کر دیا اور وہ دُکھ اس درد سے بھی شدید تر تھا جو انتہائی سزا سے ہوتا ہے میں کسی ایسی کارروائی کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا جس سے میری محبوب دھرتی کے عوام کو ذرہ بھر بھی تکلیف پہنچے۔ وقت ہی بعد میں بتائے گا کہ کس نے پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچایا۔ بعد میں کیوں؟ وقت نے ابھی بتانا شروع کر دیا ہے۔

۹۔ سازشیوں نے افلاطون کے "فلسفی بادشاہ" کو ہٹا دیا اس ٹولے نے ارسطو کے "سیاسی حیوان" کو ہٹا یا شکاری کتوں نے کارلائل کے "ہیرو" کو ہٹایا۔ انھوں نے علیؓ کی تلوار کو ہٹایا اور سٹیج کو مسخروں اور بھانڈوں سے بھر دیا۔ اور ابھی تک وہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ پاکستان کی سلامتی کا ذکر کر رہے ہیں؟ کیا مارشل لاء کا یہ مقصد ہے کہ ۸، فروری کو بہاول پور میں زرعی اجناس کی قیمتوں کے بارے میں قبل از وقت بیان دے کر گندم کی مصنوعی قلت پیدا کر دی جائے؟ اگر اس قسم کے تباہ کن بیانات دیئے جائیں تو کسی بھی آزاد ملک کے باشندے اپنے لیڈر کا حشر کر دیتے ہیں۔ قدرتی آفات سے گریز ممکن نہیں، لیکن ایک بے اُستاد غاصب کی ہمالہ جتنی بڑی غلطیاں ناقابل فراموش اور ناقابل معافی ہیں جس نے عوام پر انسان

کے نازل کئے ہوئے دکھ مسلط کر دیئے ہوں۔

۱۰۔ ہمارے جیسا ملک جو اپنے بے شمار مسائل کی طرح انتہائی پیچیدگیوں کا حامل ہے ایسی احمقانہ اور مہلک غلطیوں کے تال میل سے نہیں چلایا جا سکتا جن کی وجہ سے یہ حکومت اپنے مختصر اور تاریک دور کے دوران بدنام ہو چکی ہے اور جن کی وجہ سے پاکستان کی سلامتی کو زبردست خطرہ درپیش ہے۔ خطرناک پالیسیوں کا چکر مملکت پاکستان کو تباہی کے دہانے پر لے آیا ہے۔ سیاست کے میدان میں زبردست ناکامیاں ہوئی ہیں۔ پاکستان کے شدید ترین مخالفوں کو اس کے نجات دہندہ کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے جبکہ پاکستان کے مسلّمہ محافظوں کو اس کے مخالفوں کا روپ دیا جا رہا ہے۔ یہ چکر صرف اقتدار کی ہوس پوری کرنے کے لئے چلایا گیا ہے۔ دستور کو عجائب گھر میں ڈال دیا گیا ہے اور کورٹوں کو پارلیمنٹ کا متبادل بنا دیا گیا ہے۔

۱۱۔ اس حکومت کو تاریخ پاکستان میں پہلی حکومت کا امتیاز حاصل ہے جس نے عوام کی کمر پر ایک سال میں تین بجٹ کی کاٹھی ڈال دی ہے۔ پہلا بجٹ نئے سال پر یکم جنوری ۱۹۷۸ کو آیا۔ دوسرے قبل از وقت اور تباہ کن بجٹ کا اعلان ۸ فروری کو بہاولپور میں ہوا۔ جس کا بعد میں اسی ماہ اعلان کیا گیا۔ تیسرا بجٹ عوام پر ۲۱ جون ۱۹۷۸ کو نازل ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عوام کے کندھوں پر صرف ایک سال میں ٹیکسوں کی تین قسطیں ڈال دی گئی ہیں، درحقیقت یہ ایک سال میں ٹیکسیشن کی چار قسطیں ہوں گی، کیونکہ حکومت کی طرف سے ۷۸-۱۹۷۷ء کے مالی سال کے بجٹ کے اعلان کے تین روز بعد مارشل لاء نافذ کر دیا گیا تھا۔ غیر یقینی حالات کی بنا پر سرمایہ کاری رک گئی ہے معیشت کو رہزنوں، ڈیروں اور ریٹائرے مڈل مین کے ہاتھوں میں دیدیا گیا ہے خوراک کی صورتِ حال نازک ہو گئی ہے۔ آٹا، ہاں آٹا نہیں مل رہا۔

سلامتی مجرد نظریہ نہیں

۱۲۔ مملکت کی سلامتی پر بلند بانگ بحثیں کرنے سے پہلے ہمیں ایک عام آدمی کے معدے کی سلامتی کو تحفظ دینا ہوگا۔ نپولین نے کہا تھا: "فوجیں اپنے معدے پر مارچ کرتی ہیں" افلاس زدہ انسان مملکت کی سلامتی کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں؟ سلامتی کوئی مجرد نظریہ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی مخروط ہے جہاں ایک پتھر پر دوسرا پتھر کھڑا ہوتا ہے۔ ناکامیوں پر ناکامیاں ملک کی سلامتی کو کمزور بناتی ہیں اور نوبت ہیجڑہ پن تک آپہنچتی ہے۔ لیکن اگر سلامتی سیاسی اور اقتصادی کامیابیوں کے آہنی ستونوں پر ہو تو انسانی ہاتھ اسے نقصان پہنچانے کی بابت سوچ نہیں سکتے۔

۱۳۔ جب فیکٹری اور کھیت میں انسان کی سلامتی خطرے میں ہو، جب تباہ کن غلطیوں کی بنا پر گندم مارکیٹ سے غائب ہو چکی ہو، جب کوڑے ہمارے عوام کی کمر کو ادھیڑ دیں اور اس پر خون کی سرخ لکیریں کھینچ دیں۔ جب ہمارے پھول ایسے جوانوں کی مہک ماند پڑ جائے تو اس وقت مملکت کی سلامتی اڑتے ہوئے غبارے کی مانند ہو جاتی ہے جو ایک مچھر کے رحم و کرم پر ہو دو سو سال گذر گئے جب میری آنتواں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا کہ اگر روٹی نہیں ملتی تو عوام کیک کیوں نہیں کھاتے۔ اور اب ہمارے حکمرانوں پر بھی وہی وقت آگیا ہے کہ وہ پاکستان کے عوام سے یہ سوال کریں۔

۱۴۔ ہم ٹھہرے ہوئے پانیوں کی دلدل میں کھڑے ہیں۔ دستور کو فرعون کی ممی بنا دیا گیا ہے، سیاست میں ہیرا پھیری سے مکمل انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ اقتصادی صورتِ حال قابو سے

باہر ہے۔ امن وامان کی صورتِ حال جوکہ مارشل لا میں مثالی ہونی چاہئے، تباہ ہو چکی ہے۔ جوان لڑکیوں کو اغوا کیا جارہا اور ظالمانہ طریقے پر قتل کیا جارہا ہے۔ بنک انتظامیہ کی نظروں کے سامنے لوٹے جارہے ہیں۔ ڈاکوؤں اور مجرموں نے خوف وہراس پھیلا رکھا ہے۔ چادر اور چار دیواری ان بیرکوں میں چلی گئی ہے جو پاکستان کے نئے حکمرانوں نے خالی کی ہیں۔ مزارعوں کو ہر جگہ بے دخل کیا جارہا ہے۔ ہشت نگر اور پیٹ فیڈر میں دھرتی کے باسیوں پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں۔ اس تباہ حال انسان کو جسے میں نے موہنجو داڑو کی تعمیر کے بعد پہلی دفعہ مالک کسان بنا دیا۔ زمین سے محروم کیا جارہا ہے۔ کسان اور مزدور کی سلامتی غائب ہو چکی ہے گھر کے تقدس اور تحفظ کی پاس داری نہیں کی جارہی، میں سلامتی کے لئے اسی صورت میں خطرہ بن سکتا ہوں، اگر اس کا وجود ہو، براہِ کرم مجھے بتائیں کہ اس کا وجود ہے کہاں ؟

۱۵۔ بیس سال قبل ہالی ووڈ نے لاہور میں ایک فلم بنائی تھی اور امریکہ کی انارکلی ایوا گارڈنر ہیروئن تھی، اس کا نام بھوانی جنکشن تھا۔ بیس برس گذر چکے۔ ایوا گارڈنر کا حسن یادوں کے جھروکے میں چلا گیا لیکن پاکستان بھوانی جنکشن بن چکا ہے اور ایک تاریک دیتان کی ہدایت کے مطابق تجارت اور ٹریفک کے چوراہے میں تبدیل ہو چکا ہے۔

اگر یہی پاکستان کی سلامتی اور خود مختاری کا تحفظ ہے تو پھر مکہ نہیں بلکہ بنارس ہمارے لئے مقدس سرزمین ہے۔

۱۶۔ بھارت راجستھان نہر تعمیر کر رہا ہے۔ ہمیں علم ہے کہ یہ آبپاشی کا منصوبہ نہیں بلکہ فوجی حکمت عملی کے ماہر اور تجزیہ نگاروں کا مشاہدہ ہے کہ اگر راجستھان نہر تعمیر ہوگئی تو پھر بھارت پاکستان کی سرحد پر تعینات ساٹھ فیصد فوج ہٹا لے گا۔ میرے دور میں بھی بھارت نے اس جنگی منصوبے پہ سرمایہ کاری کے لئے ایران سے قرضہ حاصل کرنے کے لئے بڑی کوشش کی، لیکن میں شہنشاہ ایران کا شکر گذار ہوں کہ جب بھی میں نے قرضہ رکوانے کے لئے مداخلت کی انھوں نے بڑی مہربانی کے ساتھ میری درخواست قبول کی۔ یہ درخواست آخری بار ۱۹۷۶ء میں کی گئی تھی

۱۷۔ میرے دور میں بھارت کے وزیراعظم نے عوامی جمہوریۂ چین کے وزیراعظم کو بھارت اور چین کے درمیان بات چیت کے لئے کم از کم چھ خط لکھے ان میں سے کسی خط کا جواب

نہیں دیا گیا۔ اب چین جواب دینے کے معاملے میں اس قدر جلدی میں ہے کہ نائب وزیر اعظم تن سیاؤ

پنگ نے فروری کے شروع میں پیکنگ میں نہیں بلکہ رنگون میں اعلان کیا کہ چین بھارت کے

ساتھ تعلقات کو فروغ دینے کے لئے بے قرار ہے۔ اس ضمن میں چین کا ایک تجارتی وفد بھارت

گیا۔ سولہ برس بعد خیر سگالی وفد بھارت کا دورہ کرنے والا ہے۔ یہ اس سطح کا پہلا وفد تھا

چین کا ایک دوسرا خیر سگالی وفد بھارت کا دورہ کرنے والا ہے۔ اور اس میں اہم بات یہ ہے

کہ خیر سگالی وفد کے دورۂ بھارت کے ساتھ دورۂ پاکستان بھی منسلک کر دیا ہے۔ ہر ایک اب پاکستان

کو بھارت کے ساتھ نتھی کر رہا ہے اور درحقیقت چین بھی۔

برطانوی وزیراعظم کیا لے گیا

۱۸۔ وزیراعظم کالیہان ایک رات کے لئے پاکستان آئے۔ اور سورج طلوع ہونے تک وہ اپنے ساتھ چالیس لاکھ پونڈ کی رقم لے گئے، جو برطانوی انشورنس کمپنیاں اپنی انشورنس کمپنیوں کے قومیائے جانے کے عوض طلب کر رہی تھیں۔ میری حکومت چار سال سے زائد عرصے تک ان کے بڑھا چڑھا کر پیش کئے گئے دعووں کی ادائیگی سے انکار کرتی رہی۔ لیکن مسٹر کالیہان نے انگلی اٹھاتے ہی دعویٰ منظور کرالیا مجھے روپیہ کو خورد بُرد اور ضائع کرنے والا کہا جاتا تھا لیکن میں نے خلوت کی کسی سرگوشی سے متاثر ہو کر بڑھا چڑھا کر پیش کئے گئے چالیس لاکھ پونڈ کے دعوے کو قبول نہیں کیا ہمارے اعداد و شمار کی سلامتی کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ کیا بیلنس شیٹ میں برطانیہ پاکستان کا قرض دار ہے یا پاکستان برطانیہ کا مقروض ہے؟ میں اس بات کو کھولنا نہیں چاہتا۔ یہ تو ہر سکول کی نرسری کا قافیہ ہے۔

۱۹۔ وزیراعظم کالیہان نے ری پراسیسنگ پلانٹ کے معاملے پر بھی پاکستان کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ ہم نے اس اہم معاملے پر بہت سے متضاد بیانات سُنے ہیں۔ فرانس میں اسی سال مارچ میں عام انتخابات کے بعد حقیقت سامنے آجائے گی اب تصورات میں بسنے کے لئے کچھ باقی نہیں بچا۔

۲۰۔ جب میں پاکستان کا صدر تھا تو ۱۹۷۲ء میں میں نے اور صدر نکسن نے جس مشترکہ اعلامیہ پر دستخط کئے تھے اس میں کہا گیا تھا کہ "پاکستان کی سلامتی امریکی پالیسی کا اہم ستون ہے"۔ اب

جنوری ۱۹۷۸ میں پاکستان پر پرواز کرتے ہوئے صدر کارٹر نے فضا سے اپنے تہنیتی پیغام میں یہ کہہ کر بڑی مہربانی کی کہ امریکہ تمام ممالک کی سلامتی اور خود مختاری پر یقین رکھتا ہے یہ شاندار پیغام دفتر خارجہ کے لئے اس قدر مسرت آگیں تھا کہ خوشی کی گھنٹیاں آغا شاہی کی رہائش گاہ پر بجنے لگیں۔ اس سے اگلی خوشی انہیں واجپائی کے دورے پر حاصل ہوگی۔ نئی دہلی واپسی پر لاف زنی کرکے اس نے ہمارے مارشلوں کی پوزیشن کو مضحکہ خیز بنا دیا میں اس کی آواز میں حقارت کو نہیں بھول سکتا جب اس نے لوک سبھا میں اپنی تقریر کے دوران کشمیر کا ذکر چھیڑا۔ یہ دورہ یکطرفہ ٹریفک تھا۔ مسئلہ ختم ہو چکا ہے۔ مریض مر چکا ہے لیکن اس کے ننھے منھے بچوں کو بتا دیا گیا ہے کہ سانتا کلاز جلد لوٹ آئے گا۔

۲۱۔ سلامتی کی وجوہات کے پیش نظر میں اس مرض کی تشخیص نہیں کر سکتا جس نے تیس برس کی زندگی اور موت کی کشمکش کے بعد مریض کی جان لے لی۔ یقیناً بھارتی کشمیر پر بات کریں گے۔ وہ آپ کو یہ بتانے کے لئے بات کریں گے کہ کشمیر کی بات نہ کرو۔ کشمیر اور اس کی خوبصورتی پر کرنے کی بہت ساری باتیں ہیں۔ کیا آپ نے سرینگر کے نشاط اور شالیمار باغات کو دیکھا ہے؟ کیا پہل گام گلمرگ سے زیادہ خوب صورت ہے؟ کیا آپ نے ہوٹل نیڈوز کی ڈھلوان سے شیش ناگ یا نانگا پربت کا نظارہ کیا ہے؟ ہم سدا کشمیر کی باتیں کر سکتے ہیں لیکن اس دوران بھوانی جنکشن کو کھلنا چاہئے۔ فرق یہ ہے کہ جب جنرل دہلی کا دورہ کرے گا تو مسٹر ڈیسائی سے دوا حاصل کرے گا لیکن اگر میں نئی دہلی جاؤں تو مسٹر ڈیسائی کو خود دوائی دیکر آؤں گا۔

۲۲۔ یہ پاکستان کی داخلی اور خارجی سلامتی کی تصویر ہے۔ میرے دور میں ہم نے اسلامی سربراہ کانفرنس منعقد کی اور اب جب صومالی کے صدر صرف ایک رات پاکستان میں رُکتے ہیں تو ہم مسرت کا سانس لیتے ہیں۔ اپنے دور میں میں نے بھارتیوں کو دوڑایا، اب بھارتی آپ کو نچا رہے ہیں۔ تم نے بھارتیوں پر اس قدر اعتماد کر لیا ہے کہ ہم وہ واحد ہاکی میچ بھی ہار گئے۔ جسے تم نے دیکھنے کا اعزاز بخشا۔ تم سیٹھوں اور ریٹھوؤں کی نمائندگی کرتے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ وہ پاکستان کو سلامتی بخشیں گے۔ میں غلاموں اور نوکروں کا نمائندہ ہوں۔ میری رائے کے مطابق صرف عوام ہی مملکت کو مناسب سلامتی فراہم کر سکتے ہیں۔ میں مفلوک الحال

اور بے گھر عوام کی نمائندگی کرتا ہوں۔ تم امیروں کی نمائندگی کرنا چاہتے ہو۔ میں تو میانے پر یقین رکھتا ہوں۔ تم قومیائی گئی اشیاء کی واپسی پر یقین رکھتے ہو۔ میں ٹیکنالوجی پر یقین رکھتا ہوں، تمہارا ایمان ریاکاری پر ہے۔ میرا دستور پر یقین ہے تم سمجھتے ہو کہ دستور کاغذ کا ایک پرزہ ہے میں سمجھتا ہوں کہ ملا کا مقام مسجد ہے اور تم اسے پاکستان کے مالک بنا دینا چاہتے ہو۔ میں خواتین کی آزادی چاہتا ہوں۔ تم انہیں اندھیروں میں چھپائے رکھنا چاہتے ہو۔ میں نے سرداری نظام ختم کیا، تم سبی میں "شاہی دربار" منعقد کر کے اسے بحال کرنا چاہتے ہو۔ میں مشرق پر یقین رکھتا ہوں۔ تمہارا یقین دولتِ مشترکہ میں ہے ہم ایک دوسرے سے قطبین کے بعد پر کھڑے ہیں اور میں اس کے لئے خدا کا شکر بجا لاتا ہوں۔ تم تو تعفن زدہ ماضی کی بھی نمائندگی نہیں کرتے۔ میں مستقبل کی مکمل درخشانیوں کا نمائندہ ہوں۔ تم نے تو ہمارے مقدس مذہب کی تبلیغ کو بھی پراگندہ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ فرقہ وارانہ قتل و غارت پورے منتقمانہ قہر کے ساتھ شروع ہو گئی ہے۔ جب تم پاکستان کی سلامتی کی بات کرتے ہو تو براہِ کرم ہمیں بتا دو کہ تم پاکستان کو غرناطہ بنانا چاہتے ہو یا کربلا؟

۲۳۔ مارشل لاء کے مقاصد کیا ہیں؟ جب میں اس کے مقاصد سے ہی آشنا نہیں تو میری سرگرمیاں کس طرح مارشل لاء کے مقاصد کے منافی ہو سکتی ہیں؟

۲۴۔ میری سرگرمیاں کسی راز کے مقاصد کے منافی کس طرح ہو سکتی ہیں۔ جو مارشل لاء قابو میں نہ ہو، احتساب سے بالا ہو، وہ اپنی کمیت سے پُر اسرار اور آمرانہ ہوتا ہے۔ سپریم کورٹ میں میں نے اسے "پاگل اور وہمی" قرار دیا تھا۔ یہ متلون مزاج، وہمی اور جانبدار ہے۔ مارشل لاء کے پاس نہ اختیار ہوتا ہے، نہ کردار، یہ عوام کی آواز نہیں ہے۔ یہ بندوق کی آواز ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے۔ ایک ایسا قانون ہے جو بے قانون ہے اور اس کا ڈھانچہ اعتدال پسندی پر قائم نہیں۔ اس کے مقاصد کی معروضی اور غیر شخصی چھان پھٹک نہیں کی جا سکتی۔ اس کا قیام غصے اور تعصب کی ریت پر ہے۔

۲۵۔ کیا کسی شخص کے لئے ممکن ہے کہ وہ مارشل لاء کے مقاصد کو ناپ سکے؟ ۵۔ جولائی ۱۹۷۷ء کو قوم کو واضح طور پر بتایا گیا تھا کہ مارشل لاء کا واحد مقصد نوے دن کے اندر منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کا انعقاد ہے۔ اسے نوے روزہ "آپریشن فیئر پلے" قرار دیا گیا تھا

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے گزشتہ اجلاس میں پاکستان کے اعلیٰ ترجمان نے ۲۸ ستمبر ۱۹۷۷ء کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے پوری دنیا کے سامنے اپنے وعدے کا اعادہ کیا تھا اور اس بیان کے دو روز بعد مارشل لاء کا مقصد اچانک بدل گیا اور انتخابات نہ صرف ملتوی بلکہ غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔

۲۶۔ جب "محاسبے" کے سَنت کا سانپ بھی نکال لیا گیا تو عوام کو بتایا گیا کہ انتخابات محاسبے کا افسوسناک اور مضحکہ خیز عمل مکمل ہونے کے فوراً بعد کرائے جائیں گے۔ بعد میں مزید نکتے دیئے گئے کہ انتخابات اقتصادیات کو مستحکم بنانے کے بعد کرائے جائیں گے۔

۲۷۔ آخری پوزیشن یہی میں بیان کی گئی کہ انتخابات صرف ایک ذریعہ ہیں اور انتخابات صرف اسی صورت میں کرائے جائیں گے، جب مثبت نتائج کا یقین ہو جائے گا۔ یہ امر واضح ہے کہ میں انتخابات کے خلاف نہیں ہوں۔ نہ ہی میں احتساب کا مخالف ہوں۔ درحقیقت میں نے احتساب کا لفظ اس وقت استعمال کیا۔ جب میں نے پاکستان کا صدر بننے کے بعد ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو قوم سے خطاب کیا تھا۔ اسی طرح میں نے اسلامی سربراہ کانفرنس کے دوران "اسلام کے سپاہی" کی ترکیب بھی استعمال کی تھی۔

۲۸۔ میں احتساب پر یقین رکھتا ہوں، لیکن قانون کی حکمرانی اور عوام کی صوابدید کے تحت احتساب ایک جمہوری عمل ہے۔ لیکن من موجی انسانوں کے جتھے کی طرف سے انتقام کے عذر کے طور پر نہیں۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے بحالیٔ جمہوریت کے لئے اپنے عہد کا باربار اعادہ کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ وعدہ بلا تاخیر پورا ہو، اگر مارشل لاء کے مقاصد یہ ہیں:۔

(i) صحیح اور غیر جانبدارانہ انتخابات کا انعقاد۔

(ii) احتساب صاف ہاتھوں کے ساتھ کسی امتیاز کے بغیر قانون کی حکمرانی اور عوام کی صوابدید کے ذریعے ہو۔

(iii) صحیح جمہوریت کی بلا تاخیر بحالی اور

(iv) اس حقیقت کے ساتھ ۱۹۷۳ء کے دستور کی بحالی کہ میری سرگرمیاں ان مقاصد کے منافی نہیں ہو سکتیں۔

۲۹:۔ تاہم بنیادی سوال یہ ہے کہ جن مقاصد کا بار بار اعلان کیا جارہا ہے کیا یہ مارشل لاء کے حقیقی مقاصد ہیں۔ ایک حسین دوشیزہ نے ایک انگریز سے کہا تھا: "جناب میرا چہرہ میرا مقدر ہے"۔ اور ایک لیڈر کا مقدر اس کے الفاظ ہیں۔ ایک دفعہ عوام سے جب کچھ کہہ دیا جائے تو پھر نتائج کی پرواہ کئے بغیر اسے پورا کرنا پڑتا ہے گذشتہ چھ ماہ کے دوران بہت سے وعدوں کو پرزے پرزے کر دیا گیا اور اب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے امریکی صحافیوں کی ایک جماعت کو یہ کہنا ضروری سمجھا کہ وہ انہیں تحریر دینے کے لئے تیار رہیں کہ وہ سیاستدان نہیں بننا چاہتے۔ یہ سیاستدانوں کو نادر خراج تحسین ہے لیکن چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے غیر ملکیوں کے ایک گروپ کو یہ تحریری وعدہ دینا کیوں ضروری سمجھا؟ اس لئے کہ پاکستان کے عوام اب ان کے وعدوں پر یقین نہیں رکھتے۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کہ آیا غیر ملکیوں نے بھی ان کے الفاظ پر یقین کرنا چھوڑ دیا ہے۔

۳۰:۔ اگر مارشل لاء کے مقاصد حیلہ سازی، دھوکہ بازی، تاریکیوں اور غیر ملکی تسلط کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے، شہریوں کے لئے کوڑوں اور عوام پر جبر اور استحصال میں ہی پوشیدہ ہیں تو پھر نہ صرف یہ ناتواں نظر بند بلکہ عزتِ نفس رکھنے والا ہر شخص اور ہر محب وطن شہری ان مقاصد کی مخالفت کرے گا۔

۳۱:۔ میں نے پاکستان کی سلامتی کے موضوع کو مختصراً چھیڑا ہے اسی طریقے سے میں نے مارشل لاء کے مقاصد کے منافی سرگرمیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ تیسرا الزام یہ ہے کہ میری سرگرمیاں پاکستان میں پُرامن حالات کے قیام کے منافی تھیں۔

۳۲:۔ ایک ایسا آدمی پاکستان کا امن تباہ کرنے والی سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہو سکتا جس نے نوے سال پرانا احمدی مسئلہ حل کیا ہو اور ۱۹۷۷ء کے موسم بہار میں ایک بین الاقوامی سازش کے تحت پاکستان کے غیر مستحکم کرنے تک انتہائی ناسازگار حالات میں امن اور خیر سگالی کو برقرار رکھا ہو میں چھ ماہ سے جیل میں ہوں لیکن کیا حالات ملک میں پُرامن ہیں؟

۳۳:۔ پورا ملک کشیدگی کی لپیٹ میں ہے۔ سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی ہے عوام کے حقیقی نمائندوں کو یکطرفہ طور پر نااہل قرار دیا جارہا ہے حتیٰ کہ فیصلے سے پہلے ہی ملزم کو مجرم بنا دیا جاتا ہے اور پھر اسے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے کہا جاتا ہے عوام کی آنکھیں

خون آشام ہیں۔ عوام میں کشیدگی پائی جاتی ہے اور وہ تکلیف میں ہیں "جدوجہد کے دن" منائے جا رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن کا عملہ ہڑتال پر رہا ملتان میں مزدوروں کا قتلِ عام کیا گیا۔ کراچی میں فرقہ وارانہ اور دوسری کشیدگیاں پیدا ہوئیں۔ وزیر آباد، راولپنڈی، لاڑکانہ اور بہت سے دوسرے مقامات نے خود بدامنی کا مشاہدہ کیا۔ ہالہ میں قیامت بپا ہے اس سلسلے میں بہت سی اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ ہم آتش فشاں پر بیٹھے ہیں۔ لاوا ابل رہا ہے۔ دھرتی تھرا رہی ہے۔ طوفان سامنے ہیں۔ یہ نازک صورت حال اس لئے پیدا ہوئی کہ میں جیل کے باہر ہوں بلکہ اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ میں جیل کے اندر ہوں۔ اس بدامنی کا الزام میرے کندھوں پر نہیں بلکہ انتظامیہ پر ہے ہر ایک کی کمر پر نہیں کسا جا سکتا۔ غیر فطری حالات، صورت حال کو نازک بنا رہے ہیں۔

۳۴۔ اگر اس بدقسمت سرزمین پر دوبارہ پرامن حالات قائم کرنا ہیں تو مارشل لا کے تازیانے کو بلا تاخیر اٹھالینا ہوگا۔ یہ دور جتنا طویل ہوتا گیا۔ اتنا ہی ہمیں اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دے گا مجھے "پرامن حالات کو نقصان پہنچانے" اور ایسے جھوٹے اور مبہم الزامات میں بے مقصد طور پر ملوث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کسی دوسرے پر بھی الزام دینا بے فائدہ ہے۔ جرم تماشائی کی آنکھوں میں ہوتا ہے مارشل لا ایک ایسی مشق ہے جو خود اپنے آپ سے شکست کھا جاتی ہے مارشل لائ ایسے حالات پیدا کرتا ہے جو اس سے مقابلہ کے لئے درکار ہوں۔ یہ خود وہ زہر تیار کرتا ہے جس کی اسے مارنے کے لئے ضرورت ہو یہی مارشل لا کی حقیقت ہے یہ فرینکسٹن کا دیو ہے یہ احتیاط نہیں بلکہ لعنت ہے۔ ایک ایسی ظالمانہ مشینری جس پر کوئی احتساب نہ ہو۔ عرفِ عام میں ایک ایسی مشینری ہے جو عوام دشمنی پر مبنی ہو۔ عوام دشمن ہونے کی حیثیت سے یہ آخرکار خود اپنا دشمن ہے یہ خود اپنی تباہی کے بیج بوتا ہے یہ مارشل لا کا بنیادی مقصد ہے یہ اپنے آپ کو تباہ کرتا ہے اور اپنے ساتھ عوام کو بھی لے ڈوبتا ہے۔

۳۵۔ تصوراتی خوف کو ایک طرف رکھتے ہوئے میں اگست ۷۷ء کے شروع میں کراچی ملتان لاہور اور پشاور کے طوفانی دورے کی رضاکارانہ طور پر وجوہات بتانا چاہوں گا۔ میں ساڑھے پانچ برس تک سربراہ مملکت اور سربراہ حکومت رہا۔ یہ ایک پرآشوب دور تھا میری

حکومت کو فوجی بغاوت کے ذریعے ختم کیا گیا۔ مجھے اسی روز نام نہاد "حفاظتی حراست" میں لے لیا گیا اور تین ہفتے سے زائد مری کے بادلوں میں رکھا گیا۔ میری بہبود کے بارے میں خاصی تشویش پائی جاتی تھی میرے حامی اور ہمدرد مجھے ملنے کے لیئے ملک کے طول و عرض سے مری آئے لیکن انہیں میرے ساتھ ملاقات سے روک دیا گیا۔ اس امر کی بھی ضرورت تھی کہ میں ملک کے اہم شہروں کا جلد از جلد دورہ کروں اور عوام اور میری جماعت کے اراکین نے حکومت کے دوران میرے ساتھ جو بھرپور تعاون کیا تھا اس پر ان کا شکریہ ادا کروں نام نہاد حفاظتی حراست سے رہائی کے بعد میں کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ اسی مقصد سے ایک ایک دو دو روز کے لیئے ملک کے بڑے شہروں میں گیا۔ لاڑکانہ میں اپنی آبائی رہائش گاہ کے علاوہ کراچی میں میرا مستقل قیام ہے اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ مقصد کے تحت میں صرف ملتان، لاہور اور پشاور گیا۔ لاہور اور ملتان دونوں میرے حلقۂ انتخاب تھے میں ۱۹۷۰ء میں دونوں شہروں سے کامیاب ہوا اور اکتوبر ۱۹۷۷ء کے رائیگاں جانے والے انتخابات میں دوبارہ لاہور سے کھڑا ہوا۔ درحقیقت میں نے پشاور کا دورہ مذکورہ مقصد کے پیش نظر کیا۔ میں اسی مقصد کے تحت کوئٹہ کا دورہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ یہ میری سیاسی ذمہ داری تھی۔ پاکستان پیپلز پارٹی کا چیئرمین اور ایک سیاستدان کی حیثیت سے جس نے غیر معمولی حالات میں وزیر اعظم کا عہدہ چھوڑا تھا۔ اس دورے کا کوئی اور مقصد نہیں تھا۔ یہ انتخابی مہم نہیں تھی۔ انتخابی مہم کی ابتدا ۱۸-۹-۷۷ کو ہوتی اور مجھے مہم شروع ہونے سے دو روز قبل گرفتار کر لیا گیا تھا۔

۳۶۔ ذہنی انقلاب کی پیداوار الزامات کے ذکر سے قبل میں اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ میری ایک درویش سے شیطان میں یکایک تبدیلی کا عمل مبینہ طور پر ۲۸ جولائی ۱۹۷۷ء کو رونما ہوا۔ اس سے پہلے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی نظر میں پاکستان کا معمار محافظ اور ناخدا تھا یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ اس نے مجھے پاکستان کا عظیم ترین بیٹا کہا۔ مختلف موقعوں پر دوستوں کے درمیان عام جلسوں میں، کانفرنسوں کے دوران اس نے میری اس قدر تعریفیں کیں کہ اس کے آسمانی سپاسناموں سے مجھے شرمندگی ہونے لگی

وہ تمام مواقع تو میرے ذہن میں نہیں، ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان سب کو ذہن میں رکھنا میرے لئے ممکن بھی نہیں۔ اس کے علاوہ اس درخواست کا مقصد بھی ایک دو مثالیں دینے سے حل ہو جائے گا۔ اس لئے میں صرف چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی ان تقریروں کا ذکر کروں گا جو اس نے میری تعریف میں ۶، ۱۹۷۶ء میں سٹاف کالج کوئٹہ ملٹری اکیڈمی کاکول اور ۱۹۷۵ء میں کھاریاں چھاؤنی میں کیں۔ یہ مثالیں خاص طور پر اس لئے دی جا رہی ہیں کیوں کہ

ا۔ یہ تقریریں فوجی افسروں اور جوانوں کی موجودگی میں یعنی کھلے عام مسلح افواج کے سامنے کی گئیں۔

ب۔ یہ تعریف بھرپور اور مکمل تھی۔

۳۷۔ کاکول میں تقریب ظہرانے کے بعد کی گئی سٹاف کالج میں تقریر استقبالیہ کے موقع پر کی گئی۔ یہ دونوں سپاسنامے انگریزی میں تھے۔ کھاریاں میں تقریر اردو میں کی گئی۔ یہ تقریر پہلے سے لکھی ہوئی تھی جسے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے پڑھ کر سنایا اس موقع پر فوج کے جوان، بکتر بند دستوں کے افسر ریٹائرڈ افسران اور افسروں اور ریٹائرڈ افسروں کی بیویاں موجود تھیں یہ تقریب مجھے پاکستان اور اس کی مسلح افواج کے لئے میری گراں قدر خدمات کے اعتراف میں بکتر بند دستوں کے کرنل ان چیف کا اعزاز دینے کے سلسلے میں منعقد کی گئی تھی۔

۳۸۔ ۲۸، جولائی اور اس کے بعد بھی ۲۸، اگست ۱۹۷۷ء تک توڑ مروڑ کر پیش کی گئی ان تقریروں کے باوجود جن کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ میں انتہائی ضرر رساں سرگرمیوں میں ملوث رہا ہوں، چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اور ان کے کم از کم دو مارشل لا ایڈمنسٹریٹروں نے مجھ سے دوستانہ رابطہ رکھا۔ بہر حال اس کے ساتھ ساتھ اس وقت جب کہ میں مری میں تھا جبر اور انتقامی کارروائیوں کا انجن بھی چلا دیا گیا تھا اس سے ایک غیر سیاسی حکومت کے دوہرے کردار کا اندازہ ہوتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس حکومت کے الفاظ پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

۳۹۔ ۲۹، جولائی کو جب میں لاڑکانہ میں اپنی "صدمہ انگیز" تقریر کے بعد یکم اگست ۱۹۷۷ء

کو کراچی پہنچا تو سندھ کے مارشل لا ، ایڈمنسٹریٹر جنرل جہان زیب ارباب نے مجھ سے ملاقات کا وقت مانگا۔ اُس نے مجھ سے میری رہائش گاہ ۰، کلفٹن پر ۲ ر اگست کی صبح کو ملاقات کی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھ سے اخلاقی فرض کے طور پر ملنے آیا ہے اور مجھے یہ بتانے آیا ہے کہ اب بھی اس کے دل میں میری بے انتہا قدر و منزلت ہے اور وہ اب بھی میرا اتنا ہی معترف ہے جتنا پہلے تھا جب اُس نے مجھے لاڑکانہ میں اور پھر وہاں سے کراچی تک ہر ریلوے سٹیشن پر حیرت انگیز استقبال کی مبارک باد دی تو میں نے اُسے وہ بات یاد دلائی جو میں نے اُس سے اور دوسرے جرنیلوں سے جون کے آخر میں راولپنڈی میں کہی تھی۔ میں نے اُس ملاقات میں ان سے کہا تھا کہ وہ غیر ملکی مداخلت پر ہونے والے مصنوعی احتجاج سے گمراہ نہ ہوں۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر مجھے سیاسی افق سے ہٹا دیا گیا تو تین ماہ سے بھی کم عرصے میں کراچی سے لے کر خیبر تک عوام میری واپسی کا مطالبہ کریں گے۔ جنرل جہاں زیب ارباب نے کہا کہ اسے میرے وہ الفاظ اچھی طرح یاد ہیں۔

۴۰۔ ۲۹ر جولائی ۱۹۷۷ء کو لاڑکانہ میں کی گئی میری تقریر کی من گھڑت رپورٹ (جسے تھانیدار نے ایک اخبار کی شرانگیز خبر پڑھنے کے بعد ۳۱ر جولائی ۱۹۷۷ء کو بہتر بنایا تھا) اور پھر کراچی تک سفر کے دوران کی گئی تقریروں کے علاوہ کراچی میں کی گئی تقریر یقیناً اس وقت سندھ کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے علم میں ہوگی جب وہ مجھے خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے اپنی مرضی سے کراچی میں میری رہائش گاہ پر مجھ سے ملنے آیا۔ پس ثابت ہوا کہ ۲ر اگست ۱۹۷۷ء تک میں "ولن" نہیں بنا تھا۔

۴۱ ملتان کے دورے کے بعد لاہور پہنچنے پر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ۹ر اگست کی شام کو مجھے مری سے ٹیلی فون کیا۔ یہ درست ہے کہ ابتدا میں جب وہ اس ولولہ انگیز استقبال کا ذکر کر رہا تھا جو لاہور کے شہریوں نے میری لاہور آمد پر کیا تو اس کا لہجہ تیز تھا۔ اسے یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ میری پارٹی نے پنجاب بھر سے لوگوں کو اکٹھا کیا تھا تاکہ اس کی حکومت کو مرعوب اور ہراساں کیا جا سکے اور گرفتاری دی جا سکے۔ اُس نے اس بات پر زور دیا کہ اُس کی

طرف سے مجھے گرفتار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں اس لئے گرفتاری دینے کے لئے اقدامات کا کوئی تک نہیں۔ جب میں نے اُسے وضاحت سے بتایا کہ میں گرفتاری سے بچنے کے منصوبے نہیں بنا رہا تو اس کا لہجہ نرم ہو گیا۔ تب میں نے اس سے کہا کہ ایک طرف تو وہ مجھ سے اسی طرح پیش آ رہا ہے جیسے ماضی میں پیش آیا کرتا تھا، لیکن دوسری طرف وہ فوجیوں کے متعدد ہیڈ کوارٹروں میں گیا ہے اور اس نے فوج کے افسروں کے سامنے میرے اور میری حکومت کے بارے میں توہین آمیز لہجے میں باتیں کی ہیں۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے مجھے یقین دہانی کروائی کہ مجھ تک پہنچنے والی یہ اطلاعات غلط ہیں اور یہ کہ اس نے اس قسم کے اجتماعات میں اور دوسری جگہوں پر بھی میرا ذکر عزت و توقیر اور عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے بعد چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے مجھے راولپنڈی میں ملاقات کی دعوت دی تاکہ مفاد پرست عناصر کی طرف سے پیدا کی جانے والی غلط فہمیاں دور کی جا سکیں۔ میں نے اُسے بتایا کہ میرا مہینے کے آخری ہفتے میں راولپنڈی آنے کا پروگرام ہے۔ اور یہ کہ پنڈی پہنچنے پر میں اس سے رابطہ کروں گا۔ پس ثابت ہوا کہ ۹ اگست ۱۹۷۷ء تک میں 'ولن' نہیں بنا تھا۔

۴۲۔ جب میں لاہور میں ٹیلی فون پر ہونے والی بات چیت کے سلسلے میں پنڈی پہنچا تو میں نے جنرل ضیاء الحق کو ایک خط لکھا، جس میں اسے ملاقات کی تجویز یاد دلائی گئی تھی۔ یہ خط ۲۷ اگست ۱۹۷۷ء کو لکھا گیا۔ اسی شام ایک کپتان یا میجر، میرے خط کا جواب دستی طور پر لے کر اس جگہ آیا جہاں میں قیام پذیر تھا۔ اس خط میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے مجھے دوسرے دن یعنی ۲۸ اگست ۱۹۷۷ء کو سہ پہر کے وقت اپنی رہائش گاہ پر ملاقات کے لئے مدعو کیا تھا۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے واقعات کے بعد یہ میری اور اس کی تیسری ملاقات ہونی تھی۔ اس سے پہلے دو ملاقاتیں جولائی میں مری میں ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ ہم نے اُس حادثاتی دن ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد آپس میں تین بار ٹیلی فون پر بھی بات کی تھی، دو دفعہ مری میں اور ایک دفعہ لاہور میں۔

۴۳۔ راولپنڈی میں ہونے والی ملاقات بہت طویل تھی۔ جنرل چشتی اس دفعہ بھی وہاں

موجود تھا۔ اس ملاقات میں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے دوسری باتوں کے علاوہ مجھ سے یہ بھی کہا کہ وہ اس بات پر حیران ہے کہ میرے جیسے "ذہین اور تجربہ کار" شخص نے پارلیمانی نظام قبول کر لیا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ملک کے مفاد کی خاطر اپنے وسیع تجربے کو عوام کی خدمت کے لئے بروئے کار لاؤں اور اسے ایک ایسے حقیقت پسندانہ نظام کا نقشہ بنا کر دوں جو پاکستان میں چل سکے۔ میں نے اس سے کہا کہ اس نے بروہی، شریف الدین پیرزادہ اور چیف الیکشن کمشنر مولوی مشتاق جیسے متعدد قانون داں بھرتی کر رکھے ہیں اور مشورہ دیا کہ اس کے لئے یہی مناسب ہوگا کہ اس قسم کے معاملات پر وہ انہی سے مشورہ لے

۴۴۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے تمام ملاقات کے دوران با اخلاق اور با عزت سلوک کا مظاہرہ کیا۔ اگر اس نے غیر ملکی اخبار نویسوں سے خود اس بات کا ذکر کیا ہوتا تو میں اس موقع پر ہرگز اس بات کی تصدیق کی ضرورت محسوس نہ کرتا کہ وہ مجھے اس ملاقات کے دوران بھی مری میں گذشتہ دو ملاقاتوں کی طرح جناب کہہ کر مخاطب کرتا رہا میں اس بات کا ذکر اس لئے بھی کر رہا ہوں کہ کیوں کہ اس کا تعلق ان الزامات سے ہے جو مجھ پر لگائے گئے۔ ۲۸ر اگست ۱۹۷۷ء تک چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے قبضے میں مری ان تمام تقریروں کے من گھڑت مسودے موجود تھے جو میں نے ۲۷ر اگست ۱۹۷۷ء تک کیں اس دن تک اسے میری اہم سرگرمیوں کا بھی علم تھا۔

۴۵۔ یہ صورت حال اس بنیادی تضاد کو ظاہر کرتی ہے کہ ۲۸ر اگست ۱۹۷۷ء کو مجھے یہ بتایا جا رہا تھا کہ میں سب سے زیادہ قابل آدمی ہوں جو پاکستان کے لئے حقیقت پسندانہ نظام کا نقشہ تیار کر سکتا ہے مجھے بار بار جتایا جا رہا تھا، اور اس کے باوجود مجھے پانچ دن کے اندر قتل کی سازش کے الزام اور پھر اس الزام میں ضمانت پر رہائی کے بعد دوبارہ پاکستان کی سلامتی کے خلاف کام کرنے کے الزام میں گرفتار کرنے کا منصوبہ تیار کیا جا رہا تھا۔ بہر حال اس تضاد کے باوجود ۲۸ر اگست ۱۹۷۷ء تک میں "ولن" نہیں بنا تھا۔

۴۶۔ اس ملاقات کی ایک اور بات بھی ہے جس کا تعلق مارشل لا ریگولیشن نمبر ۱۲ کے

تحت میری نظر بندی کے طور پر پیش کیے گئے ریکارڈ سے ہے۔ دستاویز یو سی نمبر ۱۶ (۵۰) ۷۷ ایم پی مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء بعنوان "اندرونی صورت حال" کے پیراگراف ۲ میں، جو سی ایم ایل اے کے سی او ایس کو نیشنل سیکورٹی کے ایڈوائزر لیفٹیننٹ جنرل غلام حسن کی طرف سے پیش کی گئی، لکھا ہے۔

"اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جناب بھٹو اور جناب پیرزادہ کی طرف سے انتخابات کے بائیکاٹ کی بات شروع کی گئی تھی تاکہ ملک میں بحران پیدا کیا جا سکے۔ جسے مولانا کوثر نیازی روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

۴۷۔ میں اس رپورٹ کے حوالے سے بعد میں بات کروں گا، لیکن اسی موقع پر یہ بتانا ضروری ہو گا کہ راولپنڈی میں ۲۸ اگست ۱۹۷۷ کو چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات کے دوران جس میں جنرل چشتی بھی موجود تھا، چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے مولانا کوثر نیازی کے بارے میں شدید برہمی کا اظہار کیا۔ اپنے مخصوص انداز میں اس نے مولانا پر بے رحمانہ حملے کئے۔ اس نے نیازی کے خلاف زبردست نفرت کا اظہار کیا چنانچہ گفتگو کے اختتام پر چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے یہ الفاظ تھے "اس آدمی کو میں نہیں چھوڑوں گا"۔

۲۸ اگست ۱۹۷۷ء کو مولانا کوثر نیازی کے خلاف اس قدر تعصب کے اظہار کے بعد یہ کیسے ممکن ہوا کہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ کی انٹیلی جنس رپورٹ میں اس کا ذکر پسندیدگی کے ساتھ کیا گیا۔

۴۸۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ کو چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے راولپنڈی میں سیاسی لیڈروں کا ایک اجلاس بلایا تاکہ انتخابات کے لئے ضابطہ اخلاق تیار کیا جا سکے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے وفد کی قیادت بیگم نصرت بھٹو کر رہی تھیں۔ اسی دن جسٹس کے ایم صمدانی نے مجھے ضمانت پر رہا کیا۔ جب ضابطے کا اجلاس ختم ہوا تو چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے صحافیوں سے ملاقات کی۔ صحافیوں سے گفتگو کے دوران، میری ضمانت پر رہائی پر تبصرہ کرتے ہوئے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے صاف الفاظ میں صحافیوں کو بتایا کہ وہ مجھے مارشل لا کے کسی ریگولیشن یا آرڈر کے تحت گرفتار نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں نے مارشل لا کے کسی حکم کی خلاف ورزی

نہیں کی۔ پس ۱۳۔ ستمبر ۱۹۷۷ء تک میں 'دل' میں تبدیل نہیں ہوا تھا۔

۴۹۔ اس لئے یہ بات اہمیت کے بغیر نہیں کہ ۸ ستمبر کی ایک دستاویز کے سوا تمام دستاویزات پر جنہیں ۱۶ ستمبر ۱۹۷۷ء کو مارشل لاء آرڈر نمبر ۱۲ کے تحت میری نظربندی کا جواز بنایا گیا ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ء سے بعد کی تاریخیں درج ہیں۔

(i) دستاویز یو۔ او۔ نمبر (۱) (P ۵ L) ۱۷/۹/۷۷ پر ۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء کی تاریخ درج ہے۔

(ii) دستاویز یو۔ او۔ نمبر ۷۷/ (۵۰) ۱۶ پر ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کی تاریخ درج ہے۔

(iii) دستاویز ایم ایل اے کے سی او ایس کی طرف سے۔ پر ۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء کی تاریخ درج ہے۔

(iv) دستاویز نمبر (نمبر درج نہیں) حکم نظربندی پر ۱۶ ستمبر ۱۹۷۷ء کی تاریخ درج ہے

(v) دستاویز A/ ۱۲۸۸/۲/۴۵/۳۷ پر ۸ ستمبر ۱۹۷۷ کی تاریخ درج ہے۔

اس بات کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ جنرل محمد ضیاء الحق ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کی صبح کو تہران روانہ ہوئے اور ۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء کو رات دیر گئے واپس آئے۔

۵۰۔ ظاہر ہے کہ ریکارڈ گھڑا گیا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ سوائے ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سندھ کے خط کے باقی دستاویزات پر (نظربندی کے حکم کے سوا) ۱۶ دسمبر ۱۹۷۷ء کے نظربندی کے حکم سے ایک یا دو دن پہلے کی تاریخیں درج ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو (i) سابق صدر، وزیراعظم اور پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور پارٹی کے دوسرے اہم لیڈروں کے خلاف نظربندی کے احکامات جاری کرنے کے لئے ۱۴ اور ۱۵ دسمبر کی دستاویزات کے مواد پر مناسب توجہ نہیں دی گئی۔

یا پھر (ii) بہت پہلے ہی یہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا اور اس سے قبل دیئے گئے برعکس تاثرات جلسی کے ڈرامے کا ایک حصہ تھے۔

(iii) اور یہ کہ بعد میں ذہن میں آنے والے خیالات کی بنا پر ۱۴ اور ۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء کی دستاویزات گھڑی گیئں تاکہ ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو صحافیوں کو دیئے گئے اس واضح بیان پر پردہ

ڈالا جا سکے کہ میں نے چونکہ مارشل لاء کے کسی آرڈر یا ریگولیشن کی خلاف ورزی نہیں کی اس لئے مجھے گرفتار نہیں کیا جائے گا۔

(۱۷) یہ بات ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو کہی گئی تھی۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ۲۹ جولائی ۱۹۷۷ء سے ۲ ستمبر ۱۹۷۷ء تک (۳ جولائی ۱۹۷۷ء کو ایف آئی اے نے مجھے زیر دفعہ ضابطہ فوجداری ۱۲۰ B ۳۰۲ گرفتار کیا تھا اور میں ۱۳ تک جیل میں رہا) میری تمام تقریروں کا مواد چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور مارشل لاء اتھارٹیز کے پاس اس وقت سے بہت پہلے پہنچ چکا تھا جب ۱۴ اور ۱۵ ستمبر کو انہیں دستاویزات کی صورت دی گئی اور پھر انہیں ۱۶ ستمبر ۱۹۷۷ء کو میری نظر بندی کا جواز بنایا گیا۔

(۷) مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سندھ کے ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء کے خط میں جو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو لکھا گیا، رائے دی گئی ہے کہ

"ان کے مذموم اور خطرناک عزائم کے خاتمے اور ملک کی سالمیت اور یکجہتی کے تحفظ کے لئے میں پُرزور سفارش کرتا ہوں کہ ان لیڈروں کو فوری طور پر گرفتار کر لیا جائے (جناب ذوالفقار علی بھٹو ممتاز علی بھٹو اور عبدالحفیظ پیرزادہ کو) ۸ ستمبر کا یہ خط واضح طور پر ایک گھڑی ہوئی دستاویز ہے کیونکہ اس وقت میں پہلے ہی جیل میں تھا اور ۱۳ جولائی ۱۹۷۷ء کو رہا ہوا۔

۵۱۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سندھ کی طرف سے اس قدر سنگین الزامات اور حاتمی پُرزور سفارش کے باوجود جو اس نے اپنے ۸ ستمبر کے خط میں کی تھی۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ۱۳ ستمبر کو صاف اور واضح الفاظ میں راولپنڈی میں صحافیوں سے کہا کہ وہ مجھے گرفتار نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں نے مارشل لاء کے کسی آرڈر یا ریگولیشن کی خلاف ورزی نہیں کی بحث کے لئے اگر یہ تصور بھی کر لیا جائے کہ اس نے ۲۹ جولائی سے ۲ ستمبر ۷۷ء تک میری تقریروں کے اقتباسات پر مبنی رپورٹیں نہیں دیکھی تھیں تو بھی اس نے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سندھ کا ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء کو لکھا گیا خط تو پڑھا ہو گا۔ بشرطیکہ یہ خط واقعتاً ۸ ستمبر ۷۷ء کو لکھا گیا ہو۔ لیکن اس کے باوجود جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

نے لوگوں کے سامنے اس امر کا اعلان کیا کہ میں نے مارشل لار کے کسی آرڈر یا ریگولیشن کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مارشل لار ایڈمنسٹریٹر سندھ کے ۸ ستمبر کے خط پر

یا تو (i) یقین نہیں کیا گیا اور اسے مسترد کر دیا گیا۔

یا پھر (ii) یہ مارشل لار کے سٹائل اور عادت کے مطابق ایک جعلی دستاویز تھی جس پر تاریخ بعد میں درج کی گئی۔ تاکہ "قابل قبول" مواد کے ریکارڈ کو زیادہ ضخیم کیا جا سکے۔

۵۲۔ مارشل لار ایڈمنسٹریٹر سندھ "افسر بر موقع" تھا۔ وہ فوجی جنتا کا ایک اٹوٹ انگ تھا۔ میں اس کے صوبے کا ایک شہری تھا۔ لیکن پھر بھی اس کے سنگین الزامات اور پُر زور سفارش پر یقین نہیں کیا گیا اور اسے مسترد کر دیا۔ ورنہ چیف مارشل لار ایڈمنسٹریٹر ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو اس بارے میں غیر مبہم اور ناقابل تردید بیان جاری نہ کرتا۔ اس کے علاوہ ۱۴ اور ۱۵ ستمبر ۷۷ء کی دستاویزات میں جن کی بنیاد پر ۱۶ ستمبر ۷۷ء کا حکم نظر بندی مبینہ طور پر جاری کیا گیا، ۸ ستمبر کے خط کا براہ راست حوالہ میری مارشل لار آرڈر ۱۲ کے تحت نظر بندی کی سفارش کے طور پر نہیں دیا گیا۔

۵۳۔ ۸ ستمبر ۷۷ء کے خط میں اور ۱۵ ستمبر کی دستاویزات یادو نمبر (۱) POLLT ۷۷/۹/۱۷ میں ۲۹ جولائی ۷۷ء کو میری لاڑکانہ میں مبینہ تقریر کا سرسری طور پہ ذکر کیا گیا ہے (پیراگراف (۱) مذکورہ بالا دستاویز کے پہلے صفحے پر)۔

کیونکہ ۸ ستمبر ۷۷ء کے خط میں کی گئی پُر زور سفارش چیف مارشل لار ایڈمنسٹریٹر نے ۱۳ ستمبر کو سرِ عام مسترد کر دی تھی، اس لئے اس مواد کا حصہ نہیں بنتی جس کی بنا پر ۱۶ ستمبر ۷۷ء کو میری نظر بندی کا حکم جاری کیا گیا اسی دلیل کی بنا پر لاڑکانہ میں ۲۹ جولائی ۷۷ء کی تقریر بھی جس کا ذکر خط میں اور ۱۵ ستمبر ۷۷ء کی دستاویز میں کیا گیا ہے، ۱۶ ستمبر کے نظر بندی کے حکم کی بنیاد کے طور پر مسترد ہو جاتی ہے۔

۵۴۔ پس محتاط انداز کے مطابق میں مارشل لار کی نظر میں ۱۴ ستمبر کو 'ولن' بنا۔ اس اطلاع کے مطابق جو اس دن حاصل کی گئی اور اس تاریخ کی دستاویز میں موجود ہے اور ۱۵ ستمبر کی

دستاویز میں موجود اطلاع کی بنا پر جس کے پیراگراف (اے) کا مواد مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف دو دن میں ضعیف ترین، کاغذی مواد کی بنا پر میں درویش سے شیطان ہو گیا "شہزادے" سے تیاری بنا دیا گیا، ایک مجسم پاکستانی سے ایک علاقائی عصبیت رکھنے والا انسان بن گیا، پاکستان کے پہلے منتخب صدر اور وزیراعظم سے ایک خوفناک غدار میں تبدیل ہو گیا نجات دھندہ سے گنہگار میں بدل گیا۔

۵۵:۔ اس سیاسی کج فہمی سے ہونے والی تکلیف اس وقت اور بھی زیادہ شدید اور ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ جب دوسری طرف پاکستان کے تاریخی اور ابدی "دشمن عزت و منصب کے مقام پر فائز کئے گئے" نظر آتے ہیں۔ یہ بذات خود پاکستان کی اسلامی ریاست کے خلاف کی گئی بین الاقوامی نوعیت کی سازش کا کافی ثبوت ہے ورنہ حالات کی یہ المناک اور خوفناک تبدیلی ماہیت گہرے اور عمیق ردعمل کے بغیر رونما نہیں ہو سکتی تھی۔

۵۶:۔ کسی تحریک یا مقصد کو تباہ کرنے کے لئے اشتعال انگیزی پھیلانے والے ایجنٹوں کے استعمال کا فن بہت پہلے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ کسی نصب العین کے خلاف نفرت اور ناپسندیدگی کے جذبات کو ہوا دینے کے لئے نام نہاد "انتہائی انتہا پسند" متعلقہ تنظیم میں داخل کر دیئے جاتے تھے تاکہ اسے تباہ کیا جا سکے، یہ تکنیک امریکہ میں "سیاہ طاقت" تحریک کو، مغربی یورپ میں طلباء کی با اثر طاقت کو، امریکہ اور مغربی یورپ میں ویت نام کی جنگ کے خلاف چلنے والی تحریکوں، اور دوسری طاقتور اور انقلابی تحریکوں کو تباہ کرنے کے لئے استعمال کی گئی، پاکستان میں بھی شاید نظام مصطفےٰ کے نام پر اسی قسم کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔

۵۷:۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے بہتر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ کلمہ پڑھنے والا کوئی مسلمان کلمہ پڑھنے والے کسی دوسرے مسلمان سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس سے بہتر ہے دوسرے مذاہب اور نظریات پر یہ بات صادق نہیں آتی۔ ایک کمیونسٹ دوسرے کمیونسٹ سے بہتر ہو سکتا ہے۔ ایک عیسائی دوسرے عیسائی سے بہتر کہلا سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں ایسا نہیں۔ اللہ کے نبیؐ نے اپنے آخری پیغام میں یہ بھی کہا تھا "تم سب ایک دوسرے کے بھائی ہو۔

تم میں سے ہر ایک دوسرے کے برابر ہے اسلام کے بھائی چارے میں تم میں سے کوئی بھی دوسرے سے کم تر یا اعلیٰ تر نہیں۔" لیکن آج پاکستان میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے سر سے پیر تک پاکستان کی مخالفت کی اور بانیٔ پاکستان کو انتہائی سخت الفاظ میں بُرا بھلا کہا "نئے نظام" کے متولی بنے بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی عجوبہ نہیں کہ بھارت کو "پیارا بھارت" کہا جا رہا ہے۔

۱۵۸:۔ مولانا مودودی اس حکومت کے پاپائے اعظم بن گئے ہیں۔ چیف مارشل لا ر ایڈمنسٹریٹر اچھرے میں جناب مودودی سے یوں ملاقات کرتے ہیں جیسے کیتھولک پادری ویٹیکن میں پاپائے اعظم سے ملاقات کرتا ہے۔ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی تاریخ ایک کھلی کتاب ہے۔ میں اس کے سیاق وسباق کے حوالے نہیں دینا چاہتا۔ جناب مودودی کی "سیاسی کشمکش" کا ایک بار مطالعہ ہی کافی ہوگا۔ اس پارٹی نے کس طرح قائداعظم کو گالیاں دیں اور اس کھیل میں جناب مودودی کس طرح پیش پیش رہے۔ اس کا ذکر میں نے قائداعظم کی صد سالہ برسی کے موقع پر قومی اسمبلی میں اپنی تقریر میں کیا ہے۔ عزت مآب عدالت یہ تقریر قومی اسمبلی کے ریکارڈ سے منگوا سکتی ہے۔ میں نے یہ تقریر اس لئے کی تھی کہ جو کچھ ہونے والا تھا مجھے اس کا اندازہ تھا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے پاکستان کے عوام کو بروقت خبردار نہیں کیا۔

۱۵۹:۔ غیر منقسم بھارت کے دوسرے بونے نام نہاد لیڈروں کے ذکر کا جنہوں نے پاکستان کی مخالفت کی، کوئی فائدہ نہیں۔ اس حکومت نے انہیں بونے سے دیو بنا دیا ہے۔ لیکن درحقیقت اپنے ورثے کے مطابق وہ بونے ہی ہیں۔ بہر حال صحیح نقشہ پیش کرنے کے لئے قائد اعظم اور پاکستان کے خلاف ان کی تند اور ناپاک تقریروں کو اہمیت دیئے بغیر محض ان کے ناموں کا ذکر کیا جا رہا ہے بھیڑ کے لباس میں وہ بھیڑیئے۔ مفتی محمود نواب زادہ نصراللہ اور بے مغز خاکسار ہیں۔ غفار خان اور ولی خان کا پلہ البتہ مسٹر مودودی کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی آلودہ بساط سیاست پر ان کو برابر کی سطح پر بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۶۰:۔ قرارداد پاکستان ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو شہر لاہور میں منظور کی گئی۔ اس رات خان

برادران غفار خان، اور ڈاکٹر خان صاحب سو نہیں سکے۔ انھوں نے فوری طور پر پاکستان اور اس مسلم ریاست کے لئے جدوجہد کرنے والے لیڈر کے خلاف زبردست مہم شروع کر دی ان کا پورا قبیلہ جس میں نوجوان ولی خان بھی شامل تھا۔ قائداعظم اور دو قومی نظریئے کے خلاف ایک غضب ناک تحریک کی صورت میں صف آرا ہو گیا۔

۶۱۔ تحریک پاکستان کے دوران جدوجہد کے ہر اہم مرحلے پر چارسدہ خاندان نے اپنا تمام وزن ترازو کے مخالف پلڑے میں رکھا۔ پاکستان کی کہانی میں چارسدہ کے اس خاندان کے شرمناک کردار کا ذکر بھی شامل ہے مسلمان عوام کی شاندار فتح جس کا سہرا ان کے جرأت مند قائد کے سر تھا، خان برادران کے لئے ایک شرمناک شکست تھی سات سال سے زائد عرصے تک وہ بڑی مستعدی کے ساتھ پاکستان کے خلاف لوگوں کو آمادہ کرنے اور اکھنڈ بھارت کے لئے گاندھی کے پیغام کا پرچار کرنے کے لئے گاؤں گاؤں گئے ایک ایک حجرے میں گئے، گلی گلی میں گھومے دیہات میں ننگے پاؤں پھرے، کاروں پر گئے۔ ریل میں گئے، ہر جگہ وہ ایک پیغام لے کر گئے۔ متحدہ بھارت اور برصغیر کے سب باسیوں کے لئے ایک قومیت کا پیغام۔ کانگریس کے لئے ان کی خدمات اس قدر عیاں تھیں کہ جب آخر میں ماؤنٹ بیٹن نے نہرو اور پٹیل کو تقسیم کے اصول پر راضی کر لیا تو اس موقع پر گاندھی کی ہچکچاہٹ کی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ سرحدی گاندھی کو "نیچا دکھانے" کے احساس جرم میں مبتلا تھا۔

۶۲۔ جب کانگریس نے متفقہ طور پر تقسیم کو منظور کر لیا تو غفار خان پاگل پن کی حد تک برہم ہو گیا۔ اس نے گاندھی سے کہا کہ اسے بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا گیا ہے۔ بھیڑیوں سے اس کی مراد پاکستانی مسلمان تھے۔ جب نوشتہ دیوار واضح ہو گیا تو غفار خان نے متحدہ بھارت کے بجائے پاکستان کو قبول نہ کیا بلکہ جگہ جگہ پختونستان کا شوشہ کھڑا کر دیا پاکستان سے اپنی بے انتہا نفرت کی بنا پر وہ گاندھی کے مذہب نسل اور ذات سے مبرا "مشترکہ قومیت" کے تصور سے منکر ہو کر نسلی امتیاز کی لائن پر اتر آیا۔

۶۳۔ جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی تو غفار خان اور ولی خان کے لئے مسلمان

یا پختون ہونے کی بجائے بھارتی کہلانا زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ جب پاکستان کا قیام ناگزیر ہو گیا تو ان کے نزدیک پختون ہونا زیادہ اہم قرار پایا۔ قرار داد بنوں یا سرحد میں ہونیوالا ریفرنڈم یا ان دنوں خان صاحب کی وزارت کا کردار جس میں پاکستانی جھنڈے کو سلیوٹ کرنے سے انکار کا واقعہ بھی شامل ہے ان سب باتوں کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ پاکستان کے لئے جدوجہد کے ان تاریخی شواہد کی اہمیت اور ان کی مخالفت کے بارے میں عوام بخوبی آگاہ ہیں نیشنل عوامی پارٹی کے بارے میں مواد کو پاکستان کی سپریم کورٹ نے انصاف کے ترازو میں تولا ہے اور اپنے انکشافات سے ثابت کر دیا ہے۔ ولی خان اور غفار خان کے کردار پر روشنی ڈالنے کے لئے مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ سپریم کورٹ کا یہ تلک ابھی مٹایا نہیں گیا ہے۔

۱۶۴۔ قیام پاکستان کے بعد قائد اعظم نے اپنی فتح کے باوجود فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے غفار خان سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ لیاقت علی خان نے بھی کوشش کی مگر ناکام ہوتے۔ غلام محمد۔ چوہدری محمد علی۔ محمد علی بوگرہ اور سہروردی کی کوششوں کا بھی یہی نتیجہ نکلا۔ چندریگر صرف تین ماہ کے لئے وزیر اعظم تھے۔ انہیں اس بارے میں کوشش کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ فیروز خان نون میں اس قسم کی کوشش کے لئے بے پناہ عملی سوجھ بوجھ موجود تھی۔ سکندر مرزا کے جس کو آج کل ولی خان آمر کہہ کر مخالفت کرتا ہے، ڈاکٹر خان صاحب سے اس وقت سے گہرے تعلقات تھے۔ جب وہ پشاور ڈسٹرکٹ میں ایک افسر تھا۔ ولی خان کہتا ہے کہ میں سکندر مرزا کے مارشل لاء کی پیداوار ہوں اس قسم کا مہمل اور جارحانہ بیان دیتے وقت ولی خان یہ بھول جاتا ہے کہ سکندر مرزا نے ڈاکٹر خان صاحب کو دوسرا سیاسی جنم دیا۔ اس نے ڈاکٹر خان صاحب کو جیل سے نکالا وفاقی وزیر بنایا۔ بعد میں مغربی پاکستان کا وزیر اعلیٰ بنایا۔ سکندر مرزا بھی ناکام ہو گیا۔

۱۶۵۔ عوام نے جو افراد اور امور کے بہترین منصف ہوتے ہیں ڈاکٹر خان صاحب کو مغربی پاکستان کی وزارت اعلیٰ سے نکال کر باہر کیا کیونکہ وہ اس کا ماضی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اس کی وزارت اعلیٰ اور مسلط کی گئی قیادت کو اپنے جذبہ حب الوطنی

کی کھلی توہین سمجھتے تھے۔

۶۶:- جب ایوب خان نے اقتدار پر قبضہ کیا تو اس نے جناب منظور قادر کو سمجھوتے کی کوشش کرنے کی ہدایت کی۔ اپنے بعد آنے والے فوجی سربراہ لڑلے کی طرح وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ اس معاملے میں جس میں ہر سیاست دان ناکام ہو گئے تھے اپنے سیدھے سادے طریقے استعمال کر کے کامیاب ہو جائے گا۔ منظور قادر نے اس کام میں اپنی قانونی ہنرمندی اور عدالتی مہارت کا بے مثال توانائی کے ساتھ استعمال کیا۔ جب معاملے میں ایوب خان کی مداخلت کا وقت آیا تو اس نے غفار خان اور ولی خان سے بے انتہا طویل ملاقات کی۔ ملاقات کے اختتام پر ایوب خان کی توقعات مکمل طور پر خاک میں مل گئیں۔ اس نے اس ملاقات کے بارے میں طویل نوٹ لکھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ نہ تو غفار خان اور نہ ہی ولی خان نے پاکستان کو دل سے قبول کیا ہے اس کے برعکس وہ پاکستان کے حق میں کچھ بھی دکھانے کی کوشش کریں تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی چال کارفرما ہو گی۔ اس نے نوٹ کا اختتام آنے والی حکومتوں کو غفار خان اور ولی خان کی غداری کے بارے میں وارننگ پر کیا۔ نوٹ کے آخری الفاظ یہ تھے: "اس ملاقات نے جو تاثر میرے ذہن میں چھوڑا ہے وہ یہ ہے کہ ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" یہ ملاقات غالباً نتھیا گلی میں ہوئی تھی۔ کیوں کہ ایوب خان نے یہ رپورٹ نتھیا گلی میں لکھی تھی جب اس کی آنکھیں کھل گئیں تو ایوب خان نے ان سے جیل اور ہتھکڑی کے ذریعے نپٹا اس کے دس سال بعد پاکستان کی سپریم کورٹ بھی اسی نتیجے پر پہنچی۔ نیشنل سیکورٹی کے مشیر کو ایوب خان کا یہ نوٹ عدالت میں پیش کرنا چاہیے

۶۷:- جب یحییٰ خان نے حکومت کو ذمہ داری کے طور پر قبول کرنے کے بجائے اسے کھلونا سمجھ کر سنبھالا تو وہ بھی شروع شروع میں ولی خان سے بہت متاثر ہوا لیکن اس وقت جب ذلیل غاصب کی حیثیت سے اس کا اقتدار دھندلا رہا تھا تو اس نے نیپ پر پابندی لگا دی اور اس کے لیڈروں کو قید کر دیا۔

۶۸:- جب میں دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا صدر بنا تو میں نے نیپ پر پابندی ختم کر دی اور نیک امیدوں کے ساتھ ولی خان سے بات چیت شروع کی۔ میں نے مذاکرات

کسی خوش فہمی کے بغیر مخلصی سے شروع کئے۔ ولی خان نے میرے ساتھ دو سمجھوتے کئے ایک سمجھوتے میں اس نے مارشل لاء ۱۴ اگست ۷۲ء تک جاری رکھنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ سمجھوتے پر اس کے دستخط موجود ہیں۔ مارشل لاء کو ولی خان سے کئے گئے سمجھوتے کے مطابق میں نے مارشل لاء ۱۴ اگست ۷۲ء تک جاری نہیں رکھا بلکہ چار ماہ کے اندر اپریل ۱۹۷۲ء میں ہی اٹھا لیا اور ملک کو عبوری آئین دیا۔ کیونکہ کوئی آئینی ڈھانچہ موجود نہیں تھا اور کوئی حکومت خلاء میں کام نہیں کر سکتی تھی، مجھے مجبوراً چار ماہ تک سپریم کورٹ کی طرف سے "ڈوسو" کیس میں دیئے گئے قانون کے مطابق مارشل لاء کے ڈھانچے میں کام کرنا پڑا وہ ایک ٹوٹ پھوٹ اور مایوسی کا دور تھا۔ اپریل ۱۹۷۲ء کو میں نے ملک کو ایک عبوری آئین دیا اور مارشل لاء ختم کر دیا۔ اگست ۷۳ء میں ملک کو میں نے ایک مستقل آئین دیا۔

۶۹:۔ آج کل ولی خان ۱۹۷۳ء کے آئین کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کر رہا ہے اور سہرے کو اپنی حب الوطنی کے نشان کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس نے ۱۹۷۳ء کے آئین کی شدید مخالفت کی تھی۔ لیکن بالآخر گولی اسے نگلنی پڑی۔ کیونکہ میں نے اس کی چالیں ناکام بنادی تھیں اور اسے چاروں شانے چت گرا دیا تھا۔ میں نے اس کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہنے دیا تھا کہ وہ آئین پر دستخط کرے۔ وہ اس بارے میں بہت ناخوش تھا۔

ولی خان کو اس بارے میں کھلی چھٹی دی گئی ہے اور نیک دعاؤں سے نوازا گیا ہے کہ وہ مجھے گالیاں دے۔ جبکہ مجھے جیل میں خاموش کر دیا گیا ہے۔ وہ مجھے گالیاں دے کر مزے لیتا ہے۔ اسے بھٹو اور بھٹو ازم سے شدید نفرت ہے۔ وہ مجھے جتنی جی چاہے گندی گالیاں دے لے لیکن وہ کب تک اس قسم کے حیرت انگیز جھوٹ بول کر صداقت کو دریا برد کرے گا۔ وہ اس قسم کے جھوٹے بیان بھی دے رہا ہے:

(۱) اس نے موجودہ مارشل لاء کے سوا تمام مارشل لاؤں کی مخالفت کی ہے حقیقت یہ ہے کہ اس نے سکندر مرزا، ایوب خان اور یحییٰ خان کے مارشل لاء کی بھی تعریف کی اور دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ یہ بات ریکارڈ میں ہے کہ اس نے ان تمام غاصبوں کی تعریف کی

جنہوں نے ملک پر مارشل لاء مسلط کیا وہ تو انہیں جب اس کی اصلیت کا پتہ چلا توانہوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا۔ اس نے اب بھی اس روایت کو ترک نہیں کیا۔ موجودہ مارشل لاء کے ساتھ اس کا ہنی مون اس لئے پہلے کے مقابلے میں طویل ہو گیا ہے کیونکہ یہ مارشل لاء اس کی مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔ اور یہ حقیقت

(ا) پاکستان۔

(ب) برصغیر۔

(ج) اس کے علاقے۔

میں، موجودہ سیاسی صورت حال کے کسی بھی سنجیدہ طالب علم پر واضح طور پر عیاں ہے۔

(۲) ولی خان کہتا ہے کہ اس نے حب الوطنی کی بنا پر اپنے منشور کو خیر باد کہتے ہوئے ۱۹۷۳ء کا آئین قبول کر لیا ہے۔ کیا وہ اپنی پارٹی کے منشور پر یقین رکھتا ہے؟ یا پھر اسے مصلحت کے طور پر استعمال کرتا ہے؟ اگر اسے یقین ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی کا منشور پاکستان کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے تیار کیا گیا تو پھر اس نے اس میں چھ نکاتی ٹائپ پاکستانی آئین کا ڈھانچہ کیوں شامل کیا۔ اور پانچ یا چار قومیتوں کے نظریئے کو اجاگر کیوں کیا گیا۔ ایسا آئین یقیناً قومی مفاد کے مطابق نہیں تھا۔ اور اگر اس نے پارٹی کے منشور کو سیاسی مصلحت کے طور پر استعمال کیا تو پھر وہ ایک موقع پرست ہے فریب کار ہے جس کے وعدوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کی لمبی ناک کو موڑ کر اس سے ۱۹۷۳ء کا آئین منظور کرا دیا وہ اس کا سہرا اپنے سر نہیں باندھ سکتا۔ اسے میں نے مغلوب کر لیا تھا۔

(۳) وہ کہتا ہے کہ میں نے پاکستان پر دو سال تک مارشل لاء کے تحت حکومت کی، اور اس لئے مجھے انتخابات کا مطالبہ کرنے اور جمہوریت کی واپسی کے مطالبے سے باز رہنا چاہئے۔ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ میں نے صرف چار ماہ تک مارشل لاء برقرار رکھا۔ اور وہ بھی ایک انتہائی سنگین قومی بحران میں، اس کے علاوہ ڈسوکیس ہیں

دیئے گئے ضابطے کے علاوہ کوئی آئینی ڈھانچہ بھی موجود نہیں تھا۔ چار ماہ کے مختصر عرصے میں یعنی اپریل ۱۹۷۲ء میں میں نے آئین کی حکمرانی قائم کی اور مارشل لاء ختم کیا، جو میں نے مسلط نہیں کیا تھا بلکہ مجھے ورثے میں ملا تھا۔ ولی خان تو چاہتا تھا کہ میں اسے اگست ۱۹۷۲ء تک یعنی چار مہینے مزید جاری رکھوں۔

(۴) وہ کہتا ہے کہ میں نے شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات میں سے پانچ نکات قبول کر لئے تھے یہ بات بے بنیاد اور غلط ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ولی خان نے پاکستان کے تین ٹکڑے کروانے کے لئے چھ نکات کو مکمل طور پر منظور کر لیا تھا۔

(۵) ولی خان کہتا ہے کہ اس نے پاکستان اور پنجاب کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ اور یہ کہ میں نے اس کے بیانات کو توڑ مروڑ کر اس قسم کا غلط تاثر پیدا کیا۔ عوام کو دھوکہ دینا اتنا آسان نہیں غفار خان اور ولی خان تقریباً چالیس سال سے پاکستان کے مخالفین کی صف اول میں رہے ہیں۔ اس بارے میں شہادت پہاڑ کی طرح بلند ہے جب میری نظر بندی کے لئے جواز بنائے گئے۔ مواد میں درج الزامات عدالت کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں تو انصاف کا تقاضا ہے کہ سپریم کورٹ کی گواہی اور ولی خان کے تعصب اور پاکستان کی مخالفت پر مبنی شہادت بھی عدالت میں پیش کی جائے۔

۷:۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے اس کے بیانات کو توڑ مروڑ کر اس کے بارے میں غلط تاثر دینے کی کوشش کی۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں وہ کونسے بیانات تھے؟ ۱۹۴۰ء کے بیانات یا ۱۹۵۰ء کے بیانات، یا ۱۹۶۰ء کے یا ۱۹۷۰ء کے؟ میں اگر کر بھی سکتا تو زیادہ سے زیادہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء سے ۵ جولائی ۷۷ء تک اس کے بیانات کو غلط رنگ دے سکتا تھا۔ لیکن کیا ۱۹۴۰ء کے بیانات کو قائداعظم نے غلط رنگ دیا۔ کیا ۱۹۵۰ء کے بیانات کو لیاقت علی خان نے غلط رنگ دیا اور ۱۹۶۰ء کے بیانات کو ایوب خان نے؟ اور پھر ان تمام کتابوں اور دستاویزات کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس کی اپنی آواز میں چار یا پانچ ٹیپ شدہ تقریریں پاکستان کی سپریم کورٹ کو سنوائی گئی تھیں، ان میں سے ہر ایک تقریر میں سپریم کورٹ کے عزت مآب ججوں نے، اور ان تمام افراد نے جو عدالت کی

کھلی کارروائی کے دوران موجود تھے، ولی خان کو پورے جوش و خروش سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ طورخم کی سرحد سے زنجیر اٹھا کر مرگلہ یا اور چمن کی سرحد سے جیکب آباد میں لگا دے گا اور پھر وہ پختونستان کے انگور اور افغانستان کے خربوزے مزے لے لے کر کھائے گا۔"

۱۷۱۔ ولی خان اور غفار خان مختلف وجوہات کی بنا پر پاکستان سے نفرت کرتے رہے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی وجہ پنجاب سے نفرت اور اس کا خوف ہے وہ پاکستان کو پنجاب سمجھتے ہیں۔ جدید زبان میں، وہ پاکستان کا مطلب پنجاب کی بالادستی سے لیتے ہیں۔ ولی خان نے یہ بات مجھ سے بار ہا کہی ہے۔

سپریم کورٹ میں ولی خان نے اپنی ایک درخواست میں کہا تھا۔ کہ پاکستان میں اصل مقابلہ دو یونٹوں کے درمیان ہے، اور بڑا یونٹ فیڈریشن کے چھوٹے یونٹ کو اپنے اندر سمونے اور نگلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بعض موقعوں پر اس نے پنجابیوں کو اتنی غلیظ گالیاں دی ہیں۔ کہ میں انہیں دہرانے کی بھی ہمت نہیں کر سکتا۔ حال ہی میں اس نے ارباب سکندر خلیل کو دادو میں جی ایم سید کے گاؤں میں بھیجا۔ یہ یقین دلانے کے لئے کہ غفار خان اور ولی خان کے بنیادی نظریات میں تبدیلی، اور ان کے لئے اپنی زندگی کے مشن سے ہٹ جانا ناممکن ہے۔ وہ اس مقام پر پہونچ چکے ہیں۔ جہاں وہ اپنا راستہ تبدیل نہیں کر سکتے۔ ولی خان کے ایلچی نے جی ایم سید کو بتایا کہ ولی خان کا موجودہ رویہ پاکستان کو بھارت میں ضم کرنے کے لئے چلی گئی، ایک مصلحت آمیز چال ہے۔ جی ایم سید کو بتایا گیا کہ جب پاکستان بھارت کے چکر میں آجائے گا تو اس کے ساتھ پنجاب کی بالادستی بھی ختم ہو جائے گی۔ اس کے الفاظ تھے۔ کہ وہ پنجابیوں کو محبت کے ذریعے ہمیشہ کے لئے ختم کر رہا ہے۔" ایلچی نے کہا کہ ولی خان کا اس سلسلے میں دوسرا مقصد پنجابیوں کو پنجابی فوج سے لڑوانا ہے لاڑکانہ اور دادو کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ ہے اور صحرا میں خبریں بڑی تیزی سے پھیلتی ہیں۔

۱۷۲۔ چیتا اپنی خصلت نہیں بدلتا۔ ولی خان ایک تیج کس کی طرح سیدھا ہے

پچاس سال سے زائد عرصے سے وہ پنجاب اور پنجابیوں کے خلاف زہر اگل رہا ہے اچانک وہ عبدالولی خان سے میاں ولی خان کیوں بن گیا، خان عبدالولی خاں سے راتوں رات چوہدری ولی خاں میں کیسے تبدیل ہو گیا، وہ کیا بات ہے جس نے اسے سیاسی تبدیلی کے ذریعے محمد زئی سے جٹ بنا دیا۔ اس نے ون یونٹ کی حمایت کیوں شروع کر دی ہے؟ وہ سیکولرازم جمہوریت اور خود مختاری کو ترک کر کے، آمریت اور ملاازم کی حمایت کیوں کر رہا ہے؟ بھٹو اور بھٹو ازم کے خوف کے علاوہ اس کی کوئی اور وجہ نہیں، ولی خاں بھٹو اور بھٹو ازم سے اس قدر خوفزدہ ہے کہ وہ مارشل لار کی لونڈی بننے اور اپنا تھوکا چاٹنے کے لئے بھی تیار ہے۔

۱۹۷۲ء میں اس نے قومی اسمبلی میں بڑے فخر سے کہا تھا کہ وہ کبھی تھوک کر نہیں چاٹے گا۔ لیکن آج وہ اپنے تھوکے سے بھی زیادہ چاٹ رہا ہے۔ میں نے اس کے نقشے کر دیتے ہیں، اور اسے ایک مسلمان اور پاکستانی بنا دیا ہے۔

۳ ۷۔ ایک جرمن کہاوت ہے "اگر تم میرے بھائی بننے کے لئے تیار نہیں، تو میں تمہارا سر کچل کر تمہیں اپنا بھائی بنا لوں گا"۔ بالفرض محال اگر یہ تصور بھی کر لیا جائے۔ تیس سال بعد ولی خان پاکستانی بن گیا ہے تو اس کا سہرا بھی میرے سر ہے۔ کیونکہ میں نے اسے چنوں میں ڈال کر پاکستانی بنا دیا۔ وہ مجھ سے اس قدر خوفزدہ ہے کہ وہ اپنا نظریہ بدلنے اور ایک مختلف شخص بننے کے لئے تیار ہے۔ میرے ذریعے اس کی نفس کشی اس لئے ہوئی کہ میں نے اسے ہر لحاظ پر شکست دی؛ میں نے اسے سیاسی طور پر شکست دی؛ میں نے اُسے بلوچستان اور سرحد میں شکست دی۔ میں نے اسے آئین پر شکست دی۔ پس جب تک بھٹو اور بھٹو ازم کا دور دورہ ہے۔ ولی خان بے لگام ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بھٹو اور بھٹو ازم کی بات کرتے وقت وہ پاگل ہو جاتا ہے اور اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے اس صورتِ حال میں اگر غفار خان اور ولی خان کو محبِ وطن کہا جائے۔ تو یہ بات میری سمجھ میں آ جاتی ہے کہ مجھے صوبائیت پسند، اور ایک ایسا شخص جس کی سرگرمیاں پاکستان کی سالمیت کے منافی ہوں بنانے کے لئے جھوٹی شہادتیں کیوں اکٹھی کی جا رہی

ہیں۔

۷۴:۔ مشیر برائے سیاسی امور مولا بخش سومرو بھی کٹر کانگریسی رہا ہے۔ اُس نے اپنے نظریئے کو پاکستان کی بنیادی وجوہ کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کیا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ پاکستان ایک خلافِ فطرت اور بدخیالی پر مبنی ریاست ہے، وہ قائدِ اعظم کو بالواسطہ طور پر اپنے بھائی کے قتل کا ذمہ دار سمجھتا ہے بھائی جو پاکستان کا ابتداء سے انتہا تک مخالف تھا۔ مارشل لاء حکومت نے سٹھیائے ہوئے پچھتر سالہ مولا بخش کو نیفتائل کی گولیوں کے ڈھیر سے نکال کر بلاوجہ اپنا سیاسی مشیر بنایا۔ وہ صرف سٹھیایا ہوا ہی نہیں بلکہ ایک استحصالی نوعیت کے عام سے اور ضدی ذہن کا مالک بھی ہے۔ اس کی واحد سند یہ ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف اپنے عقیدے پر مستقل قائم رہا ہے۔

۷۵:۔ بروہی ایک ذہین قانون داں ہے لیکن وہ کمپلیکسوں کا مارا ہوا ہے ایوب خان نے اسے ڈپٹی ہائی کمشنر محمد شفقت کی رپورٹ اور دوسری مصدقہ اطلاعات کی بنا پر نئی دہلی میں پاکستان کے ہائی کمشنر کے عہدے سے ہٹا دیا تھا۔ نئی دہلی سے اس کے ہٹائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے نہرو کی ہیرو کے طور پر پرستش اور بھارت کی طرف جھکاؤ کے سبب پاکستان کے مفادات کا سودا کر لیا تھا۔ منظور قادر اس وقت وزیرِ خارجہ تھے، میرے خلاف نظر بندی کے حکم میں لگائے گئے الزامات پر غور کرتے وقت، فاضل عدالت کو دفتر خارجہ سے وہ فائلیں بھی منگانی چاہئیں۔ جن کا تعلق نئی دہلی میں ہائی کمشنر کی حیثیت سے، بروہی کی میعاد سے ہے، اور جن میں شفقت رپورٹ بھی شامل ہے۔ تاکہ یہ عدالت دیکھ سکے کہ ایک ایسی حکومت کو جو اس قسم کے افراد اور گٹھ جوڑ کرنے والوں پر مشتمل ہو حب الوطنی کا پیمانہ مقرر کرنے سے روک دیا جانا چاہیئے۔

۷۶:۔ گوگل نام کا مشیر بھی منظر میں مارشل لاء کی طرح نمودار ہوا ہے۔ بلائے ناگہانی کی طرح۔ جب میں وزیرِ خارجہ تھا۔ ان دنوں عراق میں ایک دولتمند پاکستانی کو

عراقی حکومت نے گولی سے اڑا دیا۔ اس کا نام گوگل تھا۔ میں نے پاکستانی پاسپورٹ رکھنے والے ایک شخص کو گولی مارنے پر دفتر خارجہ کے ذریعے عراقی حکومت سے احتجاج کیا۔ عراقی حکومت نے بغداد میں ہمارے سفیر کو دفتر خارجہ میں بلایا اور اسے بتایا کہ عالی قدر جہازراں اور تاجر گوگل کو اس لئے گولی ماری گئی کیونکہ وہ اسرائیل کا جاسوس تھا میرا خیال ہے کہ اس وقت بغداد میں پاکستانی سفیر سجاد حیدر تھے۔ اس فاضل عدالت کی طرف سے براہ مہربانی اس معاملے پر دفتر خارجہ کی فائل طلب کی جانی چاہئے۔ اس گوگل کا اس گوگل کے درمیان جسے اسرائیل کی جاسوسی کے جرم میں عراقی حکومت نے ۱۹۶۳ء میں گولی ماری تھی۔ اگر کوئی رشتہ ہو تو وہ بھی فاضل عدالت کو بتانا چاہئے۔ میرا موقف ہے کہ اگر ان کے درمیان کوئی رشتہ نہ بھی ہو تو بھی کسی ایسے فرد کو جس کا ملک کے ساتھ رشتہ صرف پاسپورٹ اور تجارت کی حد تک ہو۔ اتنے اعلیٰ عہدے پر فائز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ایک "سفید روسی" اگر یہ روسی ہے۔ لیکن وہ کبھی سوویت پولٹ بیورو میں جگہ پانے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ سنگاپور یا امریکہ میں مقیم ایک چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی میں کبھی شامل نہیں کیا جائے گا۔ یہ تو بالکل ویسے ہی ہے۔ جیسے پرنسٹن یونیورسٹی نیوجرسی میں پڑھانے والا کوئی فلسطینی پروفیسر فلسطین کے مسئلہ پر یاسر عرفات کی جگہ فلسطینی عوام کی نمائندگی کرے۔

۷۷۔ پاکستان کی سلامتی کے خلاف سرگرمیوں کے بیّنہ الزامات پر غور کرتے وقت میں توقع کرتا ہوتا ہوں کہ فاضل عدالت نہ صرف۔

(ا) سولہ سال کی عمر سے پاکستان کے لئے میرے عہد

(ب) ممتاز سیاسی راہنما کی حیثیت سے پاکستان کے لئے میری خدمات

(ج) ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۶ء تک پاکستان کے لئے وفاقی وزیر کی حیثیت سے خدمات۔

(د) پہلے منتخب صدر کی حیثیت سے پاکستان کے لئے میری خدمات

(ہ) پہلے منتخب وزیر اعظم کی حیثیت سے پاکستان کے لئے میری خدمات کو بھی پیش نظر رکھے گی، بلکہ اس کے مقابلے میں مارشل لاء سے گٹھ جوڑ کرنے والوں کی خدمات اور عہد و پیمان پر بھی غور کرے گی۔ مثلاً

(ا) مودودی جس نے قائد اعظم کو کافر اعظم کہا تھا اور پاکستان کی مخالفت کی تھی، مارشل لاء حکومت کا پایائے اعظم ہے، اور اس کی پارٹی مارشل لاء میں عملی طور پر حصے دار ہے۔

(ب) پی این اے کے اکثر لیڈر جنہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی مارشل لاء کی "بی ٹیم" ہیں۔

(ج) غفار خان اور ولی خان کو جو کانگریس کے ستون تھے اور آج تک قائد اعظم سے نفرت کرتے ہیں، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے محب وطن کہا ہے کہ انہیں پاکستان کے سچے لیڈروں کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

(د) مولا بخش سومرو کی پاکستان کی مخالفت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کیونکہ وہ مارشل لاء کا سیاسی مشیر ہے۔

(ہ) اے کے بروہی کی دہلی میں ہائی کمشنر کی حیثیت سے سرگرمیوں کو بھی مدنظر رکھا جائے کیونکہ آج کل وہ مارشل لاء کا مشیر برائے قانون و مذہبی امور ہے

(و) گوگل کے سابقہ جات پر بھی غور کیا جائے کیونکہ آج کل جہاز رانی کے لئے مارشل لاء کا مشیر ہے۔

۷۸۔ ۱۴ اور ۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء کی دستاویزات اور دوسری سمت میں کئے گئے الٹے اقدامات کے بغور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس حکومت نے ولی خان کا چہرہ میرے چہرے پر میرا چہرہ ولی خان پر لگا دیا ہے۔

(۱) ولی خان پاکستانی بن گیا ہے۔ اور میں صوبائیت پسند

(۲) ولی خان محب وطن ہو گیا ہے۔ اور میں "غدار"

(۳) ولی خان قانون کا پابند شہری بن گیا ہے اور میں "تخریب پسندوں کو تربیت دے

رہا ہوں۔ جنہیں ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کی دستاویز میں "پہلوان" کہا گیا ہے۔ اس طرح کالے کو گورا اور گورے کو کالا بنا دیا گیا ہے۔

۷۹:- پاکستان کے نصب العین کے لیے، اور ریاست پاکستان کے لیے، اعلیٰ ترین مناصب کے ذریعے، جن میں سے ہر منصب پر میں برصغیر کی تاریخ میں سب سے کم عمر اہلکار کے طور پر فائز رہا۔ خدمات کے علاوہ، میں ملک کی سب سے بڑی اور ممتاز سیاسی پارٹی کا چیئرمین بھی ہوں۔ میری پارٹی کی جڑیں ہر صوبے میں ہیں۔ یہ درست ہے کہ یہ جڑیں پنجاب اور سندھ میں زیادہ گہری ہیں۔

۸۰:- ۱۹۶۲ء میں قومی اسمبلی کی نشست پر میں بلا مقابلہ منتخب ہوا۔ ۱۹۷۰ء میں پنجاب اور سندھ میں میری پارٹی بھاری اکثریت سے جیتی۔ میں لاہور، ملتان، ٹھٹھہ، بدین اور لاڑکانہ کی نشستوں سے بھاری اکثریت سے کامیاب ہوا، ان میں سے ہر حلقے میں اپنے مخالفین کو میں نے کم از کم چالیس سے پچاس ہزار ووٹوں سے شکست دی۔ میں نے لاہور ملتان بدین اور ٹھٹھہ میں صرف ایک ایک دن انتخابی مہم چلائی۔

۸۱:- لاہور میں، میں نے علامہ اقبال کے صاحبزادے ڈاکٹر جاوید اقبال کو چالیس ہزار سے زائد ووٹوں سے شکست دی، ملتان میں وہاں کے نام نہاد "بے تاج بادشاہ مولانا حامد علی کو تقریباً اتنی ہی اکثریت سے شکست دی۔ لاڑکانہ میں محمد ایوب کھوڑو کو بھی تقریباً اتنے ہی ووٹوں سے شکست ہوئی۔ ایک سیاسی جماعت کا لیڈر، جس کی ملک کی پچاس فیصد سے زائد آبادی پر مشتمل صوبے میں لاثانی اور بارعب بنیاد ہو ایسا صوبائیت پسند رویہ اختیار کر کے جس سے اکثریتی صوبے کے لوگ ناراض ہو جائیں اپنی بنیاد کو اپنے ہاتھوں تباہ نہیں کر سکتا۔ یہ سیاسی لا نہیں بلکہ مارشل لا رہی ہے۔ جو لالچ میں سونے کے انڈے دینے والی بطخ کو ذبح کر دیتا ہے۔ بے شک یہی وہ ظالمانہ وجہ ہے جس کی بنا پر میرے خلاف بے بنیاد اور شر انگیز الزامات لگائے گئے ہیں۔ مجھ پر یہ الزام تراشی الزامات کی صداقت کی بنا پر نہیں کی گئی۔ میرے کردار کے بارے میں اس قسم کے بے بنیاد الزامات لگانے کا مقصد اکثریتی صوبے میں، مجھے اور میری پارٹی کو نقصان

پہنچانا ہے۔ یہی واحد مقصد ہے۔ اور اس مقصد کی تکمیل میں مارشل لاء کی رفیق کار جماعت اسلامی بڑے بھونڈے انداز سے تعاون کر رہی ہے۔ جیسا کہ زندگی کے اس ہفتے، (۳ مارچ تا ۹ مارچ) کے شمارے سے ظاہر ہے۔ اس میں پنجاب کے عوام کو پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف بھڑکانے کے لئے حال میں حال ہی میں مارشل لاء کے خلاف احتجاجی مظاہروں کے بارے میں مکمل طور پر من گھڑت اور اشتعال انگیز رپورٹیں شائع کی گئی ہیں یہ مارشل لاء کا اچھوتا مقصد معلوم ہوتا ہے۔ یہ عندیہ قابل مذمت ہے۔ اس سے ملک کی یکجہتی کو پہنچنے والا نقصان ناقابلِ بیان ہے " خدا ان کو تباہ کر دیتا ہے، جو اپنے آپ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں "

۸۲:۔ حکام ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہیں جو خود تباہ کن ہیں۔ میری شخصیت پر، کوتاہ بینی کا الزام ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ ہٹلر چارلی چیپلن بن سکتا ہے، سمندر صحرا میں تبدیل ہو سکتے ہیں، یروشلم جالندھر کہلا سکتا ہے۔ لیکن صوبائیت کے الزام کی قلعی مجھ پر نہیں چڑھائی جا سکی۔

۸۳:۔ میں نے کسی "خوف یا حمایت" کے بغیر چاروں صوبوں کی اور پاکستان کے عوام کی خدمت کی ہے۔ اس ملک کی سرزمین کا ہر ٹکڑا میرے لئے مقدس ہے۔ اگر آپ کو میری بات پر شبہ ہے تو کل ہی کو انتخابات کروا دیجئے، نتیجہ آپ کے سامنے آ جائے گا۔ ہم سب کو پتہ ہے کہ ۱۸ / اکتوبر ۷۷ء کو ہونے والے انتخابات متعدد بار اٹھائی گئی قسموں اور وعدوں کے باوجود تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کیوں ملتوی کیے گئے، ۱۸ / اکتوبر ۷۷ء کے انتخابات کا یکم اکتوبر کو غیر معینہ مدت کے لئے التوا کا اعلان اس لئے کیا گیا، کیونکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی تھی کہ پاکستان پیپلز پارٹی بے پناہ اکثریت سے جیت جائے گی۔ اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں تھی۔ اور اب بھی مختلف حیلے بہانوں سے انتخابات کی تاریخ متعین نہیں کی جا رہی کیونکہ موجودہ حکومت اور اس کے حواریوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ پیپلز پارٹی ایک دفعہ پھر ماضی کی نسبت زیادہ وسیع و عریض پیمانے پر فتح یاب ہو گی۔

۸۴:- سرزمین کے "آقاؤ" سنو! وقت عوام کے ساتھ ہے۔ یعنی وقت پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا۔ جوں جوں دباؤ بڑھتا جائیگا جوں جوں عوام کا شعور بلند ہوتا جائے گا، توں توں پاکستان پیپلز پارٹی طاقتور سے طاقتور ہو گی، اور ناقابل تسخیر بن جائے گی۔ عوام بیدار ہو چکے ہیں۔ ان جھوٹے الزامات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔

۸۵:- الفاظ اور فاضل بیانی کو چھوڑ دیں، آئیں ذرا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کے لئے ایک تجربہ کرلیں، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر وہ مضحکہ خیز بیلٹ اتارے جو اپنے سینے پر باندھے رکھتا ہے اور پاکستان کے کسی بھی حصے میں میری بیٹی بے نظیر کے مقابلے میں الیکشن لڑے میں لکھ کر دے سکتا ہوں کہ وہ اُسے شرمناک شکست دے گی اور اس کی ضمانت بھی ضبط ہو جائے گی۔ آئیے اس قسم کے مقابلے سے ان الزامات کا چاہے وہ سچے ہوں یا جھوٹے، دیانتداری پر مبنی ہوں یا بددیانتی پر، فیصلہ کریں، آئیے! ان ووٹوں کی گنتی کو محاسبے کا اعلیٰ ترین پیمانہ مقرر کریں۔ آؤ جنرل! اس چیلنج کو قبول کرو! تم ایک مومن ہو میں ایک مجرم، ایک مومن کو ایک مجرم کی بیٹی سے، اس سیدھے سادے مقابلے میں جبکہ فیصلہ پرچی کے ہاتھوں میں اور کم از کم ایک دفعہ گولی کے ہاتھوں میں نہ ہو۔ مقابلہ کرتے ہوئے ڈرنا نہیں چاہئے۔

۸۶:- پاکستان کے عوام تم پر کبھی یقین نہیں کریں گے۔ وہ تم پر کبھی اعتماد نہیں کرسکتے تمہارے حواری تمہاری عزت خاک میں ملادیں گے پاکستان کے عوام میری عزت مٹی میں نہیں ملنے دیں گے۔ میں نے ملک کے ہر حصے میں دیانتداری سے ان کی خدمت کی ہے۔ براہ مہربانی ذرا شمالی علاقوں میں آزاد کشمیر میں جاؤ اور اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ میں نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ میں نے بے مثال خلوص کے ساتھ ان کی خدمت کی حالانکہ پاکستان کی اسمبلیوں میں ان کے ووٹ نہیں تھے۔ یہ خدمت اہلیت اور انصاف کی بنا پر بے لوثی سے کی گئی ہے، میں نے پانچ سال کے عرصے میں ان کے لئے وہ کچھ کیا جو تیس سال میں ان کے لئے نہیں کیا گیا۔ یہی بات قبائلی علاقوں اور صوبہ سرحد پر بھی صادق آتی ہے،

میں نے پختونوں کے لئے وہ کچھ کیا جو ولی خان کی سات نسلیں سوچ بھی نہیں سکتیں۔

۸۷:۔ ابھی کل کی بات ہے کہ بلوچستان کے پورے صوبے کا بجٹ سرگودھا ڈویژن کے برابر تھا۔ اب جاؤ اور جاکر دیکھو میں نے بلوچستان کے غربت زدہ اور استحصال کے شکار صوبے میں جہالت اور ناداری کی فصیلیں کس طرح توڑی ہیں۔ میں نے دنیا کے سب سے زیادہ نظر انداز کئے گئے مظلوم عوام کو ولولہ انگیز ترقی کی روشنی دکھائی۔ میں نے سندھ کو وہ انصاف دیا جس سے گذشتہ حکومتوں نے اسے محروم رکھا تھا۔ میں پہلا قومی لیڈر ہوں۔ جو سندھ کا گناہ گار نہیں۔ میں اس قسم کے کسی کمپلیکس کا شکار نہیں تھا کہ حب الوطنی کی مجرد تعریف کو ثابت کرنے کے لئے انہیں ان کے حقوق سے محروم رکھتا میں کوئی غیر فطری انسان نہیں اور نہ میں منافق ہوں۔ میں یہ نہیں کرتا کہ کہوں کچھ اور کروں کچھ اور۔ میں جھوٹے پروپیگنڈے سے خوفزدہ ہو کر سندھ کے عوام کو ان کے حقوق سے محروم نہیں رکھ سکتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ کراچی میں میری حکومت کی زبردست مخالفت ہوئی تھی۔ لیکن اس مخالفت نے مجھے کراچی میں پینے کے پانی کی اسکیم کے لئے جدوجہد کرنے سے نہیں روکا۔ میرے دور میں کراچی اور حیدرآباد کے کچھ حصوں میں میری زبردست مخالفت کے باوجود میں نے کراچی، حیدر کے لئے ترقیاتی رقوم کی دل کھول کر منظوری دی۔ میں نے ملک کے سب سے بڑے اس شہر کو صاف ستھرا جدید شہر بنا دیا۔ میرے دور میں کراچی نے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی۔ عظیم الشان سٹیل مل اور پورٹ قاسم کے علاوہ تمام شعبوں میں ہر قسم کی ترقی ہوئی۔ میں نے کراچی پر ذاتی توجہ دی ہے ووٹوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ وہاں ہمارے چالیس لاکھ عوام رہتے ہیں۔

۸۸:۔ موجودہ حکمرانوں کے برعکس میں زندگی کے حقائق سے آگاہ تھا۔ ماضی میں پنجاب کو اس کی آبادی کے تناسب پر ترقیاتی رقم کبھی نہیں ملی تھی۔ میرے سیاسی حکومت میں پہلی مرتبہ ترقیاتی بجٹ کو آبادی کے با انصاف اور معروضی پیمانے کے مطابق تقسیم کیا گیا۔ اسی بنیاد پر ترقیاتی بجٹ میں سب سے زیادہ حصہ پنجاب کا حق تھا۔

یہ حق اسے میرے زمانے میں ملا۔ اس سے پہلے نہیں۔ براہِ کرم ذرا پنجاب کے دیہات دیکھئے۔ پنجاب کے شہر خاص طور پر لاہور اور ملتان کو دیکھئے۔ معمار کی خوبصورتی کا مشاہدہ کیجئے۔ ان شہروں کی نئی اور چوڑی شاہراہیں دیکھئے ٹیوب ویلوں کو گنیئے۔ آپ کی آنکھیں اس روشنی سے خیرہ ہو جائیں گی جو میں نے ان تک پہنچائی۔ ایک دفعہ ان کارناموں کا ضرور مشاہدہ کیجئے۔ آپ ان درختوں کے پھل کھا رہے ہیں جو میں نے اپنے ہاتھوں سے زمین میں لگائے تھے۔ میں نے روحانی محبت سے ان نازک پودوں کی آبیاری کی۔ میں نے وادی کو سرسبز بنا دیا میں نے صحرا کو گلستان میں بدل دیا۔ میرے دور میں تمام صوبوں میں ترقیاتی سرگرمیوں کا جو عروج دیکھنے میں آیا۔ اس کا اس سے پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، اب عوام اسے جس شدت سے یاد کرتے ہیں اس کا احساس آپ کے تصور کی حدود سے باہر ہے۔

۸۹:- پاکستان کے دور دراز علاقوں میں بھی میرے پیروں کے نشان نظر آتے ہیں۔ میرے نشان ہر اس اینٹ اور گارے پر ہیں جو اس ملک کی تعمیر نو بلکہ تعمیر میں استعمال ہوا۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے اپنے تمام عوام سے اور صوبوں سے انصاف کیا۔ میں ایک گنہگار ہوں، لیکن جہاں تک گناہ کے اس الزام کا تعلق ہے۔ میرا ضمیر صاف ہے۔ مجھ پر اس قسم کا نفرت انگیز اور بزدلانہ الزام، صرف زمانہ قدیم کا صوبائیت پسند ہی لگا سکتا ہے۔

یہ جھوٹ صرف دیانت داری سے محروم، ایک ناسمجھ اور جنونی حکومت ہی اپنے ماتھے پر سجا سکتی ہے۔

۹۰:- میں صوبائیت پسندی اور غداری کے ان الزامات کی اسی قدر کراہت کے ساتھ تردید کرتا ہوں۔

جس کے یہ الزامات مستحق ہیں۔ یہی بات "پہلوانوں" کی تربیت کے الزام پر بھی صادق آتی ہے۔ کیونکہ اس حکومت نے ملیشیئے حواریوں کی بھاری تعداد اکٹھی

کر رکھی ہے۔ اس لئے اسے خواب میں "پہلوان" نظر آتے ہیں۔ میں پہلوانوں کو اہمیت کیوں دوں جب کہ پاکستان کے نجات دہندہ اور مسلح افواج کے معمار کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش چار یا پانچ جنرل آسانی سے تیار کر سکتے ہیں۔ ریاست کی تمام مشینری بشمول کثرت سے ملوث شدہ ایف ایس ایف کے میرے ماتحت تھی۔ ڈویژن کمانڈروں میں سے اکثر میرے وفادار تھے۔ اس کے باوجود چار یا پانچ جنرل اپنی پکنک منانے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر پاکستان کا وزیر اعظم ہونے کے باوجود یہ کچھ میرے ساتھ ہو سکتا ہے تو "پہلوانوں" کا ایک دستہ میرے کس کام آسکے گا۔ میں بحیثیت کل عوام کی پہلوانی پر یقین رکھتا ہوں۔ جوں جوں دن گزرتے جا رہے ہیں۔ یہ پہلوان مضبوط سے مضبوط تر ہو رہے ہیں۔ کسی ایک خوبصورت صبح کو سات کروڑ عوام کا ابھرتے ہوئے پٹھوں والا بازو، پوری طاقت سے گھونسا لگائے گا۔ وہ ٹینک ابھی ایجاد نہیں ہوئے وہ بکتر بند دستے ابھی نہیں بنے جو اس گھونسے کی ضرب برداشت کر سکیں۔

۹۱:- جہاں تک پاکستان کی سلامتی کے خلاف کام کرنے کا تعلق ہے اس کا جواب وہی دے سکتے ہیں۔ جنہوں نے پاکستان کو عدم استحکام کی سازش کی بھٹی میں جھونکا اگر میں دل و جان سے مادرِ وطن کا وفادار نہ ہوتا اور میں پاکستان اور اس کے عوام پر غیر متزلزل یقین پر قائم نہ ہوتا تو مجھے کوٹ لکھپت جیل میں قید ہو کر اور اس وقت اپنی ذات پر سے گذرنے والی توہین اور بے عزتی برداشت کرنے جرمانہ ادا نہ کرنا پڑتا اگر میں وہ متبادل راستے قبول کر لیتا جو مجھے فرانس سے ری پروسیسنگ پلانٹ کے معاہدے کو ڈبو دینے کی صورت میں دکھائے گئے تھے تو آج میں پوری شان و شوکت سے اقتدار کے تخت پر بیٹھا ہوتا۔ شاید ہی موجودہ دور میں کسی لیڈر نے حب الوطنی کی اس سے بھاری قیمت ادا کی ہو۔ اگر پاکستان کی سلامتی میرے لئے مقدس نہیں تھی۔ تو مجھے قید تنہائی میں گلنے سڑنے کے لیے نہ رکھ دیا جاتا۔

۹۲:- اپنے اس محبوب ملک کی سلامتی کے خلاف، جس کی تقدیر اس وقت میرے ہاتھوں میں تھی۔ جب یہ داخلی اور خارجی طور پر انتہائی غیر محفوظ تھا۔ سرگرمیوں

میں خواب میں بھی ملوث ہونے کا الزام صرف ایک بے شرم اور بے حیا حکومت ہی گھڑ سکتی ہے۔ میں اس قلعے کو جو میں نے خود بنایا نقصان پہنچانے یا خطرے میں ڈالنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایک مہذب شہری خودکشی تو کر سکتا ہے لیکن اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے بچوں کا گلا گھونٹ دے۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کے بعد پاکستان کی سالمیت کا پاسبان میں تھا۔ میں اپنے بچے کو نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں تہران، پیکنگ، ریاض ماسکو، پیرس اور واشنگٹن اپنی بنائی ہوئی چیز کو برباد کرنے کے لئے نہیں گیا تھا۔ میں ہاکی میچ دیکھنے کے لئے شملہ نہیں گیا تھا۔ میں گول کرنے کے لئے شملہ گیا تھا۔ دیکھو! کیسا گول کیا!

۹۳:- قابلِ اعتراض سرکاری دستاویزات سے دو مزید عام الزامات وضع کئے جا سکتے ہیں۔

(ا) میں طبقاتی منافرت پیدا کر رہا تھا اور انقلاب کا سبق پڑھا رہا تھا۔

(ب) میں نے کہا تھا کہ مجھے ایک بین الاقوامی سازش کے ذریعے اقتدار سے ہٹایا گیا ہے۔

۹۴:- "طبقاتی منافرت" ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا استعمال انسان کا تاریخی پیش قدمی کے علم اور سائنس کے بغیر کیا گیا ہے۔ طبقاتی منافرت پیدا کرنے اور استحصال زدہ طبقوں کے حقوق کی حمایت کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں نے ہمیشہ استحصال زدہ اور مظلوم طبقات کے حقوق کی حمایت کی ہے۔ پاکستان کے مشکلات اور مصائب کے شکار عوام کے لئے کی گئی اپنی جدوجہد پر مجھے فخر ہے میں آخری دم تک یہ جدوجہد جاری رکھوں گا۔

۹۵:- پاکستان ایک انتہائی غریب ملک ہے۔ پاکستان کے غریبوں کا شمار دنیا کے غریب ترین انسانوں میں ہوتا ہے۔ یہ خدا کا قانون نہیں نہ یہ اسلام کا پیغام ہے عدمِ مساوات پر مبنی یہ تفریق انسان کی پیدا کردہ ہے، گندم کے اس بحران کی طرح جس سے آج کل یہ ملک گزر رہا ہے۔ جب پانچ سال کے ٹیکس کی چھوٹ دی جاتی ہے

بلکہ اس سے بھی بدتر یہ کہ جب یہ چھوٹ سجال کی جاتی ہے تو ایسے فیصلوں کو خوش آئند فیصلے کہا جاتا ہے۔ ان فیصلوں سے کس طبقے کو فائدہ پہونچتا ہے ؟ ان فیصلوں سے استحصال کرنے والے طبقے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ استحصالی طبقے کی طاقت اور مراعات میں اضافہ استحصال شدہ طبقے کو براہِ راست نقصان پہونچانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے مکروہ فیصلوں سے طبقاتی منافرت پیدا ہوتی ہے۔ جب زمینداروں پر سے زرعی ٹیکس کا بوجھ ہٹانے کے لئے کاشت کاروں کے آبیانے میں اضافہ کیا جاتا ہے تو طبقاتی منافرت پیدا ہوتی ہے۔

۹۶:۔ طبقات کے درمیان بھائی چارے کی فضا مساوات کے اصولوں پر مبنی معاشرے میں پیدا ہوتی ہے، ان پالیسیوں کے ذریعے نہیں جو ایک طبقے کے خون پر دوسرے طبقے کو سینچتی ہیں۔ امیر کو امیر تر۔ اور غریب کو غریب تر بنانے کے فیصلوں کو تو اچھی بات کہا جاتا ہے۔ لیکن مزدوروں کی اجرتوں میں اضافے، ہڑتال کا حق دینے اور دولت مندے انصاف کی طلبی بری بات ہے۔ صنعت کاروں کو دولت کے ڈھیر لگانے، فیکٹری پر فیکٹری لگانے، ذخیرہ اندوزی چور بازاری کرنے، اسمگلنگ کرنے، حساب کتاب میں گڑبڑ کرنے میں مدد دی جا رہی ہے، حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ ایسی تمام لعنتیں طبقاتی محبت پیدا کرتی ہیں۔ لیکن دولت کی مساوی تقسیم کے لئے جد وجہد باہمی تفریق کو کم کرنے کی اپیل، مزدوروں کو ان کا اخلاقی حصہ دینے کا مطالبہ طبقاتی نفرت پیدا کرتے نظر آتے ہیں۔

۹۷:۔ جب ایک لیڈر صنعت و امارت کے کپتانوں کی حمایت کرتا ہے۔ جب وہ مفاد پرستوں کی نمائندگی کرتا ہے اور استحصالی طبقوں کی گرفت کو مضبوط کرتا ہے تو وہ طبقاتی منافرت پھیلانے کا ذمہ دار نہیں۔ جب ایک حکومت سرمایہ داروں کا آلہ کار بن جاتی ہے تو وہ طبقاتی منافرت کی ذمہ دار نہیں لیکن جب ایک لیڈر کچلے ہوئے مجبور عوام کی بات کرتا ہے، اور ان کے استحصال کے خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے تو اس پر طبقاتی منافرت پھیلانے کا الزام لگایا جاتا ہے، جب ایک منتخب حکومت ملک کے بھوکے

ننگے اور بے گھر عوام کو "روٹی کپڑا اور مکان" فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہے تو اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اس کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے۔ شاید اسی لئے کہا جاتا ہے "ایک کے لئے زہر دوسرے کے لئے تریاق"۔

۹۸:۔ میں نے طبقاتی منافرت نہیں پھیلائی۔ ہاں البتہ مظلوم عوام کا عَلم یقیناً بلند رکھا ہے اور ان کے حقوق دلانے کے لئے جدوجہد کی ہے۔ اور میں اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھوں گا جب تک یہ مقدس مقصد حاصل نہیں کر لیتا۔ اگر میری زندگی میں ایسا نہ ہو سکا تو مرتے وقت آخری الفاظ میں اپنے بچوں سے وعدہ لوں گا کہ وہ اس مقصد کی تکمیل کریں۔ میں اسی مقصد کے لئے پیدا ہوا تھا۔ میں نے اس ملک کے ہر غریب ماں باپ کے محروم ہاتھوں میں جنم لیا۔ میں صدیوں سے روتی ہوئی آنکھوں سے آنسو پونچھنے کے لئے ملک کے سیاسی افق پر شہاب ثاقب کی طرح اُبھرا۔ میں تاریکیوں کو چھٹانے اور غلامی کی زنجیریں توڑنے کے لئے علی کی تلوار لے کر آیا۔ مجھے کوئی ترغیب و تحریص عوام کے راستے سے نہیں ہٹا سکتی۔ میں ان کے حقوق کے لئے لڑتا رہوں گا۔ میں انصاف کے حصول کی عظیم جدوجہد میں انہیں قیادت مہیا کرتا رہوں گا۔ میں اپنی آواز کے زور سے اُن کی آواز میں زور پیدا کروں گا۔ میں ان کی گاڑی کو آگے بڑھانے میں اپنی پوری طاقت لگاؤں گا۔ اس فرض کو ادا کرتے ہوئے میں اسلام کی طرف سے عائد کی گئی بھاری ذمہ داری نبھا رہا ہوں۔ اور ایک انسانی مشن پورا کر رہا ہوں۔ طاقت کا پلڑا اس طبقے کے حق میں پورا پورا جھکا ہوا ہے جس نے صدیوں در صدیوں سے تاریک گھروندوں پر حکومت کی۔ سر سے پیر تک مسلح، ناقابل تسخیر حد تک محفوظ، پنڈتوں اور ڈاکوؤں کا یہ طبقہ بے زبانوں کو میری کمزور سی آواز مل جانے پر کیوں دانت کاٹنے لگتا ہے کیوں خوف زدہ ہو جاتا ہے؟

۹۹:۔ جب تک طبقاتی تضادات کا تاریخی مطلب سمجھ میں نہیں آتا، انقلاب کا مطلب بھی نہیں سمجھا جا سکتا، انقلاب کا مطلب یہ نہیں ایک بینڈ ماسٹر اپنے بینڈ سے

محروم ہو جائیگا۔ انقلاب ایک خوبصورت لفظ ہے، انقلاب تاریخ کی قوس وقزح ہے۔ انقلاب کا مطلب ہے ناانصافی اور عدم مساوات کا خاتمہ، اس کا مطلب ہے استحصال اور آمریت کا خاتمہ، انقلاب کا مطلب ہے خواتین کی نجات اور نوعِ انسانی کی آزادی، انقلاب کا مطلب ہے جمہوریت پسند عوام کا حقِ خود ارادیت اس کا مطلب ہے جنوبی افریقہ میں نسل پرستوں کا خاتمہ اس کا مطلب ہے فلسطینی ریاست کا قیام، اس کا مطلب ہے تیسری دنیا کی مجبور قوموں کے لئے انصاف کے اصولوں پر مبنی نیا عالمی اقتصادی نظام۔

۱۰۰:۔ پرانا نظام دم توڑ رہا ہے، وہ آخری سانس لے رہا ہے، انقلاب کی لہریں سرمایہ دارانہ نظام کی دیوار ڈھا رہی ہیں۔ اٹلی کو مہلک بیماری لگی ہوئی ہے۔ یہی حال پرتگال اور سپین کا ہے۔ چند ہی دنوں میں فرانس میں گہری تبدیلی متوقع ہے۔ اگر برطانیہ میں وافر مقدار میں تیل کے ذخائر نہ مل جاتے تو یہ ملک بھی اپنی اقتصادی بدحالی کے باعث بحر شمالی میں ڈوب چکا ہوتا۔ امریکہ کو تجارت میں ۲۶ ارب ستر کروڑ ڈالر (۲ کھرب ۲۷ ارب) روپے کے متوقع خسارے نے ہلا کر رکھ دیا ہے ڈالر کی قیمت تیزی سے گر رہی ہے امریکہ اپنے ڈالر کو خود سنبھالا دینے سے انکار کر رہا ہے، تاکہ اس کی تیل کی درآمدات کا خرچ جرمنی اور جاپان کو ادا کرنا پڑے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ اپنے سب سے بڑے اتحادیوں یعنی ایشیا میں جاپان اور مغربی یورپ میں وفاقی جمہوریہ جرمنی سے اقتصادی جنگ میں مصروف ہو گیا ہے۔ اس قسم کی مبہم اور مصنوعی صورت حال کب تک برقرار رہ سکتی ہے اس پس منظر میں انقلاب کو خوش آمدید کہا جانا چاہیئے۔ اس سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بہرحال اگر انقلاب کا مطلب انتہائی تنگ نظری سے بھی نکالا جائے تب بھی تختہ الٹ کر اقتدار پر قابض ہونے والی حکومت کو انقلاب کی مخالفت کا کوئی حق نہیں۔ لفظ انقلاب کو تنگ نظری پر مبنی اور محدود معنی میں استعمال کرتے ہوئے ایک جمہوری قانونی اور آئینی حکومت تو انقلاب کی اپیل پر کچھ اعتراض کر سکتی ہے لیکن زبردستی اقتدار پر قابض ہونے

والی حکومت نہیں۔ فوجی انقلاب یا تختہ الٹنا، قانونی اور آئینی حکمراں کے خلاف کسی ٹولے یا گروہ کی غیر قانونی اور غیر آئینی، خفیہ سازش کے ذریعے کی جانے والی کارروائی ہے۔ جب کہ انقلاب نام ہے ظلم اور ناانصافی کے خلاف نکل کھڑے ہونے والے عوام کے عیاں عہد کا۔ یہ ان کے نمائندوں کے بنائے قوانین سے بھی بڑا قانون ہے۔ جب عوام کے نمائندے ان سے دھوکا کرتے ہیں تو عوام انقلاب کے ذریعہ براہ راست فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ذریعہ بالواسطہ طور پر نہیں۔ انقلاب کا مطلب ہے۔ تغیر اور تغیر ہمیشہ قائم رہتا ہے۔

؎ ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں علامہ اقبال

۱۰۱:۔ میں نے یہ الزام عائد کیا تھا کہ مجھے ایک بین الاقوامی سازش کے ذریعے اقتدار سے ہٹایا گیا اگر فروری ۱۹۷۸ء میں بھارتی وزیر خارجہ کے دورہ پاکستان اور دسمبر ۱۹۷۷ء اور جنوری ۱۹۷۸ء کے بعد برصغیر پاکستان بھارت میں میں تیزی سے رونما ہونے والے واقعات اور اگست ۱۹۷۷ء میں جوزف نائے کے خفیہ دورہ پاکستان کے بعد بھی پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازش کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے تو پھر میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ اندھاپن بصارت ہے اور بصارت کا نام اندھاپن۔

۱۰۲:۔ موتمر عالم اسلامی کے صدر نے بھی اپنے حالیہ دورہ پاکستان کے دوران اعلان کیا ہے کہ پاکستان کے خلاف ایک بین الاقوامی سازش کی گئی یہاں تک کہ "نوائے وقت" نے بھی جو میرے خلاف زبردست نکتہ چینی کرتا ہے۔ اور ضیا حکومت کا سب سے بڑا حامی ہے اپنے ایک اداریے میں اس کا نوٹس لیا ہے۔ پاکستان کے مخالفین اس بین الاقوامی سازش کے نتیجے پر اتنے پراعتماد ہیں کہ عام طور پر محتاط بھارتی رہنماؤں نے بھی رکھ رکھاؤ کو بالائے طاق رکھ کر کھلے بندوں پیش گوئی شروع کر دی ہے کہ پاکستان کا شیرازہ بکھرنے والا ہی ہے ۲۰، فروری کو جنتا پارٹی کے ایک رہنما نے جموں میں کہا کہ پاکستان شکست وریخت کے عمل سے گزر رہا ہے

اس رہنما نے پورے کشمیر کو بھارت کے حوالے کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔

۱۰۳:- ۲۸ر اپریل ۱۹۷۷ء کو میں نے قومی اسمبلی میں عوام کو یہ وارننگ دیکر اپنا قومی فرض پورا کر دیا تھا کہ پاکستان کا شیرازہ منتشر کرنے کی سازش کی گئی ہے عدالت اپنی تحقیقات کے تعین کے لئے میری اس تقریر کو ریکارڈ پر لانے کی غرض سے قومی اسمبلی کے مباحثہ کی کارروائی طلب کر سکتی ہے۔ اس وقت پاکستان کا وزیر اعظم ہونے کی حیثیت سے اہم حقائق میرے علم میں تھے اور میں نے جو کچھ کہا تھا وہ اپنے اعلیٰ ترین عہدے کی ذمہ داری اور پورے وثوق کے ساتھ کہا تھا۔

۱۰۴:- میں نے قومی اسمبلی میں کہا تھا کہ خونخوار کتے میرے خون کے پیاسے ہیں اگلے ہی روز یعنی ۲۹ر اپریل ۱۹۷۷ء کو مجھے امریکی وزیر خارجہ کی طرف سے ایک پیغام ملا۔ جس میں خفیہ مذاکرات کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ میں نے ۳۰ر اپریل کو راولپنڈی کے عوام کو یہ پیغام دکھایا اسی روز راولپنڈی میں پی این اے کا لانگ مارچ ناکام ہوا تھا۔ عدالت سے گزارش ہے کہ اس پیغام کو بھی مقدمے کے ریکارڈ میں شامل کیا جائے۔

۱۰۵:- امریکی سفارت خانے کے ناظم الامور نے میری حکومت کی طرف سے ایسے سنگین الزامات کے باوجود کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔ صرف دفتر خارجہ کو اتنا بتلانے پر ہی اکتفا کیا کہ اگر زیر بحث لانے والے معاملات کو یوں عوام کے سامنے پیش کرنے کا عمل جاری رہا تو آئندہ خفیہ مذاکرات کرنا بہت مشکل ہو جائے گا ان ریمارکس سے میرے الزامات سے نہ انکار کیا گیا اور نہ ان کی تردید کی گئی۔ ہم سے صرف یہ درخواست کی گئی تھی کہ ہم اس سازش کو خفیہ رکھیں جو پاکستان کی یک جہتی کو ختم کرنے کے لئے کی گئی یہ ایک انتہائی غیر معمولی درخواست تھی۔

۱۰۶:- امریکی ناظم الامور کے ان ریمارکس کے علاوہ، جن کا واضح طور پر تعلق ڈاکٹر کسنجر کی اس دھمکی کے ساتھ تھا جو اس نے اگست ۱۹۷۶ء میں مجھے لاہور میں

دی تھی اور جس میں کہا تھا کہ اگر میں نے ری پراسیسنگ پلانٹ کی خریداری کے متعلق اپنی حکومت کی پالیسی نہ بدلی تو میرا حشر خوفناک ہو گا۔ امریکی حکومت کے کسی افسر نے ان الزامات کی تردید نہیں کی۔

۱۰۷:۔ امریکی وزیر خارجہ کی تجویز کے جواب میں، میں نے پاکستان کے وزیر خارجہ کو پیرس بھیجا کہ وہ ان سے خفیہ مذاکرات کریں میرے وزیر خارجہ اپنے ساتھ پچاس صفحات پر مشتمل وہ دستاویز بھی لے گئے جس میں پاکستان کے اندرونی معاملات میں بڑے پیمانہ پر بیرونی مداخلت کا واضح ثبوت موجود تھا۔ اس اصول پر عمل کرتے ہوئے کہ احتیاط جرأت سے بہتر ہے، امریکی وزیر خارجہ نے بڑی عقلمندی سے اس دستاویز کو نہ دیکھنا مناسب سمجھا۔ اس کے برعکس ان کی تجویز یہ تھی کہ ہمیں ماضی کو بھول جانا چاہئے اور نئے سرے سے تعلقات کا آغاز کرنا چاہیے۔ اسی رات ہوٹل کے اس کمرہ پر حملہ کیا گیا جس میں پاکستان کے وزیر خارجہ ٹھہرے ہوئے تھے لیکن وہ دستاویز پاکستان کے سفارتخانے کی تحویل میں تھی اس لئے ہوٹل کے اس کمرے سے کوئی چیز بھی نہیں لی گئی۔

۱۰۸:۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے واقعات کے فوراً ہی بعد مسٹر عزیز احمد نے دستاویز کی ایک نقل مسٹر غلام اسحاق خاں کو دی۔ یہ کاپی دفتر خارجہ نے تیار کی تھی انہوں نے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اس کا بغور مطالعہ کریں تاکہ یہ سمجھ سکیں کہ ۱۹۷۷ء کے موسم بہار کی ایجی ٹیشن کے دوران واقعات کس انداز سے منظر عام پر آئے مجھے افسوس ہے کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ مسٹر غلام اسحاق خاں کے جواب کا صحیح یقین کروں کیونکہ نہ صرف وہ میرے حافظہ میں ہے اور نہ میں اسے سمجھ سکا ہوں تاہم غلط یا صحیح انہیں عملی طور پر موجودہ حکومت کا وزیر اعظم سمجھا جاتا ہے اس لئے عدالت کے لئے ان کی شناخت مشکل نہیں ہو گی اس کا انحصار عدالت پر ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی تصدیق کے لئے وہ مسٹر غلام اسحاق خاں یا مسٹر عزیز احمد کو طلب کرتی ہے یا نہیں تاہم میں درخواست کروں گا کہ فاضل عدالت

پچاس صفحات کی وہ دستاویز ضرور طلب کرے جو دفتر خارجہ نے تیار کی تھی جس میں بیرونی طاقتوں کی طرف سے پاکستان کے اندرونی معاملات میں وسیع پیمانے پر مداخلت کی تفصیلات درج تھیں۔

۱۰۹:- میرا خیال ہے کہ یہ دستاویز پاکستان کے وزیر خارجہ نے جون ۱۹۷۷ء میں طرابلس میں ہونے والی اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کی کانفرنس کے شرکاء میں بھی تقسیم کی تھی اور اس میں جو ٹھوس معلومات فراہم کی گئیں تھیں ان کی بنیاد پر ہی طرابلس میں اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس نے ایک قرارداد منظور کی تھی جس میں پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی مذمت کی گئی تھی۔ میری یہ درخواست ہے کہ دفتر خارجہ سے اس کانفرنس کی رپورٹ بھی طلب کی جائے اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے کانفرنس کی وہ قرارداد بھی طلب کی جائے جس میں پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی مذمت کی گئی تھی۔

۱۱۰:- اس ٹھوس اور ناقابلِ تشکیک پس منظر کے علاوہ ان واقعات کے بعد جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے اندرونی اور بیرونی معاملات میں رونما ہوئے ہیں۔ نیز اس خطے اور برصغیر میں جو حالات رونما ہو رہے ہیں اُن کے پیشِ نظر اس بین الاقوامی سازش سے انکار کے لئے، جس کی بدولت مجھے محروم اقتدار کیا گیا اور جس کے نتیجے میں پاکستان بھی کمزور ہوا، ہاتھی سے بھی زیادہ موٹی کھال کی ضرورت ہے۔

۱۱۱:- عام اصولوں کی بنیاد پر عمومی الزامات سے نبٹنے کے بعد میں ان خصوصی الزامات کی طرف آتا ہوں اور خصوصی طور پر آغاز ۱۴ اگست کی دستاویز سے کرتا ہوں۔

۱۱۲:- (الف) مجھ پر الزام لگایا گیا ہے کہ میں نے لوگوں کو گولیوں کا سامنا کرنے کی تلقین کی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں نے کہا تھا کہ میں خود بھی اس کے لئے

تیار تھا میرے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ میں نے دھمکی دی تھی کہ اگر ایوب خان کا نظام حکومت لایا گیا تو خوں ریزی ہو گی۔

۱۱۳:- (ب) میرے ان مبینہ بیانات کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ انٹیلی جنس بیورو کی دس اگست ۱۹۷۷ء کو کیے گئے اندازہ پر مبنی ہیں عدالت کو میری طرف سے ان ریمارکس کے مصدقہ حصے طلب کرنے چاہئیں بالخصوص ٹیپ عدالت میں پیش کرنے کو کہا جائے۔ انٹیلی جنس کی رپورٹیں مالکوں کے ذائقہ کے مطابق تیار کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ایک " اندازہ " ہے۔

رپورٹ بالکل مبہم ہے۔ اس میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ میں نے یہ باتیں کب اور کہاں کہی تھیں کیا یہ کسی تقریر یا کسی بحث کے دوران کہی گئی تھیں۔ یہاں تک کہ مجھ پر جن ریمارکس کا الزام عائد کیا گیا ہے ان کے جو جملے رپورٹ میں درج نہیں وہ بھی مبہم اور لغو ہیں جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے ایسا کوئی ریمارکس نہیں دیا۔ تاہم فاضل عدالت کے روبرو مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی توقف نہیں کہ میں مارشل لاء کا مخالف ہوں۔

۱۱۴:- مارشل لاء خود کو تباہ کرنے والا نظام ہے۔ یہ نظام عوام کے لئے نقصان دہ ہے اس سے قومی اتحاد کو نقصان پہنچا ہے اور مسائل حل ہونے کی بجائے نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ اگر عوام پر گولی چلانے کے لئے کوئی جواز نہ ہو تو عوام گولیوں سے کیوں سامنا کریں۔ افراد خودکشی کے ارتکاب کر سکتے ہیں۔ لیکن عوام اجتماعی خودکشی نہیں کرتے۔ عوام ایک مقصد کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ اور اگر وہ مقصد اس کے قابل ہو تو اس کے لئے قربانیاں بھی دیتے ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں غیر مسلح ہوں میں کوئی جرنیل نہیں اور نہ میرے پاس ٹینک اور توپ خانہ ہے۔ لیکن میں بزدل بھی نہیں خدانخواستہ اگر عوام کو گولیوں کا سامنا کرنا ہی پڑے تو میں اس پر فخر محسوس کروں گا کہ مجھے سب سے پہلے نشانہ بنایا جائے۔ میرا تشخص خالصتاً عوام کے ساتھ ہے۔ جس کا سامنا عوام کو ہو گا میں بھی

اس کا سامنا کروں گا جن حالات کا اس وقت عوام سامنا کر رہے ہیں میں بھی ان کا سامنا کر رہا ہوں۔

۱۱۵:۔ انٹیلی جنس بیورو کی ۱۰ ر اگست ۱۹۷۷ء کی رپورٹ کا پیراگراف نمبر ۵ بالکل بے معنی ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ میں نے اور مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے انتخابات کے بائیکاٹ کا منصوبہ بنایا تھا۔ تاکہ ملک میں بحران پیدا کیا جا سکے اور مولانا کوثر نیازی اس بحران کو رد کرنا چاہتا تھا۔

۱۱۶:۔ یہ ایک اذیت کوش دروغ گوئی ہے۔ جب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور جنرل چشتی نے دوسری مرتبہ مری میں مجھ سے ملاقات کی تھی۔ تو میں نے پُر زور طریقے سے انہیں بتا دیا تھا کہ میں انتخابات لڑنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہوں میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ اگر انتخابات ہوئے تو پاکستان پیپلز پارٹی کو میری قیادت میں شاندار کامیابی حاصل ہو گی۔ میں دوسرے افراد کی طرح اپنے بنیادی فیصلے تبدیل کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ میرے لئے انتخابات میں حصہ لینے کی ہر وجہ موجود تھی ان تمام رکاوٹوں کے باوصف جو ہمارے راستے میں پیدا کی گئیں یہ بات واضح ہے کہ پیپلز پارٹی ۱۸ اکتوبر کے انتخابات مکمل طور پر جیت جاتی اور صرف یہی وجہ تھی کہ یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء کو انتخابات غیر معینہ عرصہ کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔

۱۱۷:۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی زبردست کامیابی کا خوف حکمران ٹولے پر اس بُری طرح سوار ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ۲۵ ر فروری ۱۹۷۸ء کو سبی میں جو اعلان کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اس وقت انتخابات کرائیں گے جب انہیں اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ میری پارٹی انتخابات میں کامیاب نہیں ہو گی۔ اس کا مطلب ہے کہ انتخابات ہوں گے ہی نہیں۔ کیونکہ انتخابات جب بھی ہوئے میری پارٹی ہی کامیاب ہو گی۔ جب حالات میرے لئے اس طرح سازگار ہوں تو میں انتخابات کے بائیکاٹ کی تحریک کیوں چلاتا؟ ایسا کرنا کوئی عقلمندی

کی بات نہیں ہوتی اور نہ ہی ایسے کسی منصوبے کی ضرورت تھی۔ نیز ۲ اگست ۱۹۷۷ء کو کراچی میں پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کے جس اجلاس میں انتخابات میں بھرپور حصہ لینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ وہ میری صدارت میں ہوا تھا۔ مرکزی مجلسِ عاملہ نے اس مسئلہ پر تفصیلی غور اور تبادلہ خیالات کیا تھا اور تفصیلی بحث مباحثہ کے بعد ایک جامع اعلان کی صورت میں انتخابات میں حصہ لینے کے فیصلے کا اعلان کیا گیا تھا۔

۱۱۸:- یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انتخابات میں حصہ لینے کا ایسا اہم فیصلہ میری بھرپور اور مخلصانہ حمایت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ میں نے یکم دسمبر ۱۹۶۷ء کو پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی اور یہ اعزاز بھی مجھے حاصل ہے کہ میں پارٹی کا چیرمین بھی ہوں میری قیادت میں پارٹی ایک کامیابی سے دوسری عظیم کامیابی کی طرف گامزن رہی ہے اور اس نے فتح پر فتح حاصل کی۔

۱۱۹:- پارٹی کے عہدیداروں اور کارکنوں کا میرے ساتھ اتنا گہرا اور مخلصانہ رابطہ ہے۔ جتنا کہ میرا ان کے ساتھ ہے عوام پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں۔ اور میری قیادت کے حامی ہیں یہ پوزیشن ہوتے ہوئے اس انقلابی جماعت کے اندر میری قیادت کے پرچم تلے بغاوت یا انتشار کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ماضی میں بھی میری پارٹی کا شیرازہ منتشر کرنے کی سازشیں ناکام رہیں اس وقت اور آئندہ بھی ان سازشوں کے مقدر میں ناکامی کے سوا کچھ نہیں انقلابی جماعتیں نہیں بلکہ رجعت پسند جماعتیں آسانی کے ساتھ ٹوٹ جایا کرتی ہیں۔ ایک اور حملے پر ان کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے۔ لیکن صحیح معنوں میں انقلابی جماعت نہ ٹوٹتی ہے نہ تقسیم ہوتی ہے کیوں کہ عوام طاقتوں کو تقسیم نہیں کرتے۔ املاک کے حصے بخرے کرنا ممکن ہے لیکن عزت کی تقسیم ممکن نہیں۔

۱۲۰:- پاکستان پیپلز پارٹی صحیح معنوں میں ایک انقلابی جماعت ہے پارٹی کے اندر میں اپنے تمام دوستوں اور پارٹی لیڈروں سے محبت رکھتا ہوں۔

اور ان کا احترام کرتا ہوں تاہم ایک لیڈر کی رائے کے خلاف کسی دوسرے لیڈر کی حمایت حاصل کرنے اور اس کے لئے باقاعدہ لابی بنانے کا مسئلہ میرے لیے کبھی پیدا نہیں ہوا۔ اس کا علم پارٹی کے اندر سب کو ہے۔ پارٹی سے باہر بھی بہت سے لوگ باخبر ہیں۔ یہ کوئی راز نہیں عوام کے ساتھ میرا براہ راست اور پارٹی کے ذریعہ رابطہ قائم ہے۔ اس کا سب کو علم ہے عوام کی مدد اور دعاؤں ہی سے میں پارٹی کے اندر فولادی قسم کا نظم و ضبط برقرار رکھنے کے قابل ہوا ہوں۔

۱۲۱۔ کوئی بھی شخص جس کا پاکستان پیپلز پارٹی سے معمولی سا بھی تعلق رہا ہو اس غلط رپورٹ کو تسلیم نہیں کر سکتا جس میں یہ کہا گیا ہے کہ میں نے کوثر نیازی کو مات دینے کے لئے پیرزادہ سے اپنے آپ کو نتھی کر لیا تھا۔ پیرزادہ اور نیازی دونوں کے ساتھ یہ ناانصافی ہے۔ پیرزادہ مجھے اپنے بیٹے کی طرح عزیز ہے۔ اور مولانا ایک دیدہ ور ہیں۔ ماضی میں نیازی نے کبھی ہمارے ساتھ اختلاف کا اشارہ بھی نہیں کیا۔ اب یہ کہہ کر کہ انتخاب ایسے مسئلہ پر ان کا نظریہ مجھ سے مختلف تھا۔ اور ان کے ساتھ پیرزادہ کا ذکر کر کے محض ایک کہانی گھڑی گئی ہے۔ جس کی تہہ میں شرانگیزی ہے۔ میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے میرا مفاد عوام سے وابستہ ہے میں گذشتہ چھ ماہ سے زائد عرصہ سے جیل میں ہوں۔ بے نظیر کے متعلق فیصلہ پارٹی کا فیصلہ ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں پارٹی نے یہ فیصلہ اس بنیاد پر کیا ہے کہ بے نظیر، بے نظیر ہے۔

۱۲۲۔ ان حالات میں الیکشن سے متعلق فیصلے پر اختلاف یا لابی بنانے کا سوال بے بنیاد ہے۔ یہ از سرتا پا جھوٹا الزام ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ حکومت نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو چھٹی دے رکھی ہے۔ عام سوجھ بوجھ اور دانشمندی کو تیسرے درجہ کا ٹکٹ دے کر رخصت پر روانہ کر دیا گیا ہے۔ تو اب رہ کیا گیا ہے۔ ہم سب اسے جاننا پسند کریں گے کہ آخر باقی کیا بچا ہے۔ دو روز کے گہرے غور و خوض کے بعد پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ نے ۳۰ اگست کو ایک مثبت اور متفقہ فیصلہ کیا اور چھ روز کے اندر

انڈر انٹیلی جنس بیورو نے اپنا اندازہ پیش کر دیا کہ میں نے پیرزادہ کی مدد سے اور نیازی کی مخالفت کے باوجود ملک میں بحران پیدا کرنے کے لئے انتخابات کے بائیکاٹ کا منصوبہ بنایا لیکن نیازی نے اس کی مخالفت کی یہ کتنی لغو تھیوری ہے۔

۱۲۳:۔ اس وقت کوئی بحران مجھے اقتدار میں نہیں لاسکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ پاکستان کی ماضی کی سیاست کی نہج پر ایک مرتبہ پھر حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا مجھے اور میری جماعت کو صرف انتخابات کے ذریعے ہی اقتدار حاصل ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ انتظامیہ کی شدید مخالفت کے باوجود ہم نے انتخابات کا راستہ اختیار کیا۔ ملک میں ایک نیا بحران پیدا کر کے ہمیں کچھ حاصل نہ ہوتا بلکہ ہم سب کچھ ضائع کر دیتے ہیں اپنے راستے کا علم ہے۔ اور رکاوٹوں کے باوجود ہم نے اپنا راستہ اختیار کیا ہمارا جواب تھا انتخابات اور یہی جواب عوام اور ملک کا بھی تھا۔ ہمارا اور عوام کا جواب ہمیشہ یکساں رہا ہے معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی دیکھ سکتا ہے کہ یہ ساری رپورٹ بناوٹی اور کھوکھلی ہے چونکہ اس کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہو تو نتیجہ معلوم

۱۲۴:۔ اس دستاویز کے پیراگراف نمبر ۳ میں اس ہفتہ وار تخمیص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انٹیلی جنس بیورو نے اس وقت تیار کی تھی۔ جس عرصہ میں اندازہ تیار ہوا تھا۔ میں اپنی ان تقریروں پر تبصرہ کر چکا ہوں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ میں نے لاہور اور ملتان میں کی تھیں۔ میں بتا چکا ہوں کہ یہ سب کچھ غلط بیانی اور دروغ بیانی ہے۔ یہ تقریر انہی تقریروں کے نقاط پر مشتمل ہے۔ اور اسی لئے اس کے نتائج بھی غلط ہیں۔

۱۲۵:۔ ان بنیادوں پر کسی بھی شخص کو معاف نہیں جا سکتا۔ یہاں تک کہ امرنا تھ غار میں ریاضت کرنے والے بدھ بھکشوؤں کو بھی معافی نہیں مل سکتی۔ ۱۹۷۶ء میں ملتان ہی میں میری غیر متزلزل وفاداری کی قسم کھانے کے بعد اچانک میرے چیف آف سٹاف نے میرے اور میری جماعت کے ساتھ تصادم کی راہ اپنالی۔ اس لئے جو کچھ دستاویزات

کے پیرگراف نمبر ۳ میں کہا گیا ہے۔ درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے۔

۱۲۶:۔ انٹیلی جنس بیورو نے ۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کو جو صورت حال کا روزنامچہ پیش کیا تھا۔ اس میں درحقیقت پیپلز پارٹی کی ہائی کمان کو خراج تحسین پیش کیا گیا تھا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ میری گرفتاری پر پاکستان پیپلز پارٹی پنجاب کے حلقے مضطرب ہیں اور ملتان میں پارٹی کی نچلی سطح پر زبردست خفالیت کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ اس رپورٹ میں اعتراف کیا گیا ہے کہ پنجاب میں عوام کے ان مضطرب اور فعال حلقوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ ہائی کمان کے فیصلوں کا انتظار کریں یہ حقیقت ہے کہ پارٹی کی صفوں میں وسیع پیمانہ پر اضطراب اور فعالیت کے باوجود کہیں بھی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہائی کمان نے پارٹی کے حلقوں کو نصیحت کی تھی کہ وہ نظم و ضبط کے پابند رہیں اور میری اشتعال انگیز گرفتاری پر مشتعل نہ ہوں۔ اس لئے دستاویز کا پیراگراف نمبر ۴ تو دہی پارٹی اور اس کی قیادت کو بری الذمہ قرار دیتا ہے۔

۱۲۷:۔ اس طرح پیراگراف نمبر ۵ میں جو اپنے طور پر گھڑا ہے۔ مواد اور معلومات شامل کئے گئے ہیں اور جنہیں گڑبڑ پیدا کرنے کے لئے اہم ذرائع کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سب کا سب مواد نہ صرف لغو اور غلط ہے بلکہ حقیقت میں حکومت کی طرف سے ایک مرتبہ پھر اس امر کا اعتراف ہے کہ پارٹی مثالی قوت برداشت اور صبر کی مالک ہے۔ اس پیراگراف کا موثر حصہ یہ ہے کہ امن وامان کے بگڑنے کی صورت حال کا امکان اسی وقت ہے کہ جب پی پی پی کی ہائی کمان اس طرح کا آرڈر دے۔ اگر امن وامان کی صورت حال پیپلز پارٹی کے ہاتھ میں تھی تو یہ حقیقت ہے کہ صورت حال بگڑی نہیں اور اس بات کا واضح ثبوت ہے پیپلز پارٹی کی ہائی کمان نے صورت حال کو خراب کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جنہیں ۱۸ اکتوبر کے انتخابات بھاری اکثریت سے جیتنے کی امید تھی۔ وہ ملک میں امن وامان کی صورت حال کو خراب کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایسا کرنا خودکشی کے مترادف ہوتا۔

۱۲۸:۔ چھٹا پیراگراف بھی حقیقت پر مبنی نہیں۔ ہائی کورٹ کے احاطے کو باڑ لگا کر

اسے ایک محصور قلعہ کی شکل دے دی گئی تھی۔ سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی تھیں ———— عدالت کے گرد خاردار تار لگا دیے گئے۔ ملٹری اور پولیس کی بھاری نفری بھی وہاں موجود تھی زنانہ پولیس کی کئی بٹالین بھی وہاں موجود تھیں۔ مجھے صبح سات بجے ایک کار میں وہاں لے جایا گیا۔ اس میں پردے لگے ہوئے تھے۔ پولیس اور فوج کے دستے اس کے ساتھ تھے۔ اس محاصرے کی حالت میں بہت بڑی تعداد میں لوگوں کے جمع ہونے کا تو ذکر ہی کیا معمولی تعداد میں بھی جمع ہونا ممکن نہ تھا

۱۲۹:- تنومند افراد کے الفاظ میرے لئے حیران کن نہیں۔ اس دستاویز میں ان الفاظ کو بار بار استعمال کیا گیا ہے۔ کیا "تنومند لوگ ہیں یا لٹیرے" "تنومند" اور "لٹیرے" بھی موجودہ انتظامیہ کے ساتھ ہیں میرے ساتھ صرف وہ لوگ ہیں جن کی حالت قابل رحم ہے۔ اور جنہیں بے دردی سے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لوگ وقت کے ساتھ ایک پہاڑ کی طرح شان و شوکت کے ساتھ ابھریں گے۔ جب وہ وقت آئے گا تو نہ ہی تنومند اور لٹیرے انہیں روک سکیں گے۔ بہر حال نہ تو ۱۲ دسمبر کو اور نہ ہی اس کے بعد کسی بھی دن گذشتہ پانچ چھ ماہ میں میرے مقدمے کے دوران ہائی کورٹ یا اس کے نواح میں ناخوشگوار واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے معمولی سے آثار بھی پیدا ہوئے میری ضمانت منسوخ کی جانے والی تھی تو باغات کے شہر لاہور کو ایک چھوٹے سے جنگی میوزیم میں بدلنے کے لئے وسیع پیمانے پر انسدادی اقدامات کئے گئے مگر ایک بے بنیاد وجہ کو بنیاد بنا کر میرے خلاف مارشل لاء آرڈر نمبر ۱۲ کے تحت کارروائی کرنے کا کوئی جواز موجود نہ تھا۔

۱۳۰:- جہاں تک اس دستاویز کے پیراگراف نمبر، کا تعلق ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکومت صوبائی تعصب پھیلانے کا پختہ عزم کئے ہوئے ہے۔ اس حکومت نے اپنے عمل اور رویئے سے گذشتہ پانچ ماہ کے دوران اس حد تک صوبائی عصبیت پھیلائی جتنی گذشتہ تیس برسوں میں نہیں پھیلائی گئی۔ اس نے سکینڈ

اور متعدی قسم کے صوبہ پرستوں کو قوم پرست اور محب وطن قرار دیا ہے۔ اور قوم پرستوں کو صوبہ پرست اور غدار کا نام دیا ہے اس نے ولی خان جیسے غدار کو رہا کیا اور سراپا قومیت پرست کو جیل میں ٹھونسا۔

۱۳۱:۔ میں یہ نہیں جانتا کہ یہ درست ہے لیکن مجھے اکثر بتایا گیا ہے کہ احمدیوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ وہ قادیان چلے جائیں تو کیا جالندھری ٹولہ کی یہ خواہش ہے کہ وہ جالندھر واپس چلے جائیں اگر ایسا نہیں تو پھر اس ٹولہ کی سیاست اور پالیسیوں میں کوئی منطق اور کوئی عقل مندی کی بات نظر نہیں آتی۔ موجودہ حکومت نے قومی مفادات کو نقصان پہنچانے کے لئے سب کچھ کیا ہے اور صوبائیت کی آگ کو پھیلایا ہے۔

۱۳۲:۔ یحیٰی خاں پاکستان کو ایک دفعہ توڑنے کا ذمہ دار تھا۔ پاکستان کو دوسری دفعہ توڑنے کی ذمہ داری ضیا الحق پر ہوگی یہ اور اس قسم کے دوسرے بیانات بحیثیت ایک قومی رہنما کے میرے مقام و مرتبہ اور وقار کو نقصان پہنچانے کے لئے دیئے جا رہے ہیں۔ یہ گندہ کھیل کامیاب نہیں ہو سکتا لیکن اس عمل میں قوم کا تار و پود کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ حکومت اس قدر مایوس ہو چکی ہے یا اگر میں صحیح لفظ کا استعمال کروں تو اس قدر بددیانت ہے کہ اس نے گرفتار شدہ سرکاری افسروں سے سزا اور اذیت کے ذریعے ایسے جھوٹے بیانات حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی جس سے مجھے بدترین صوبہ پرست ثابت کرنا مقصود تھا۔

۱۳۳:۔ کسی کو زک پہنچانے اور موقع سے فائدہ اٹھانے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ میں قید تنہائی میں خاموش ہوں۔ جب اپنے خلاف قتل کے الزام میں مقدمہ کی سماعت کے دوران اپنی زندگی کے دفاع کے لئے بھی کچھ کہتا ہوں تو میرے الفاظ پر رازداری کی مہر لگا دی جاتی ہے۔ ان حالات میں اپنا دفاع میں اپنے ماضی کے نقوش قدم میں چھوڑ تا ہوں۔ عوام میری خدمات اور کارناموں کو فراموش نہیں کر سکتے جب تک ان کا حافظہ باقی ہے۔

(۱) ۱۹۶۵ء اور اس کے بعد کے آئندہ ہزار سال
(۲) تاشقند۔
(۳) سلامتی کونسل میں دلیرانہ للکار۔
(۴) روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ۔
(۵) دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے لئے بدترین خطرہ کا وقت۔
(۶) عوام کے لئے منصفانہ اصلاحات۔
(۷) ۹۰ ہزار جنگی قیدیوں کی واپسی۔
(۸) پانچ ہزار مربع میل کا علاقہ۔
(۹) ۱۹۷۳ء کا آئین۔
(۱۰) قادیانیت کے مسئلہ کے حل۔
(۱۱) اسلامی سربراہ کانفرنس۔
(۱۲) اٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ۔

۱۳۴: عوام آزمائش کے ان تاریک لمحات میں مجھ سے کنارہ کش نہیں ہو سکتے ۱۹۵۸ء سے میرا نام پاکستان کی تاریخ کے ہر صفحہ پر لکھا ہوا ہے۔ ان میں صرف چند ایک اہم باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پاکستان کے جوان مجھے اپنی امنگوں کے ساتھ یاد رکھیں گے کہ میں نے انہیں جواں سال قیادت دی۔ پاکستان کی خواتین مجھے ہمیشہ مہربانی سے یاد رکھیں گی کہ میں نے انہیں آزادی دینے کی کوشش کی۔ کسان مجھے جوش و جذبہ سے یاد رکھیں گے کہ میں نے جاگیرداروں کی زنجیریں توڑ دیں، محنت کش طبقے مجھے محبت سے یاد رکھیں گے کہ میں نے انہیں قومیائی گئی صنعتوں کا مالک بنا دیا۔ دانشور میری قدر کریں گے کہ میں نے خود کو ٹیکنالوجی اور جدیدیت سے مخلصانہ طور پر وابستہ رکھا اقلیتیں ہمیشہ مجھے یاد رکھیں گی کہ میں نے ان کے ساتھ سچا سلوک کیا۔ وہ بے نام مجھے یاد رکھیں گے کہ میں نے انہیں پانچ مرلہ اسکیم کے ذریعہ نام دیا۔ وہ بے چہرہ مجھے اس لئے یاد رکھیں گے کہ کچی آبادی میں انہیں مالکانہ حقوق دے کر چہرے دیئے۔

میں نے شیعہ سنی کو نہ لڑایا نہ ان میں محاذ آرائی کرائی۔ جتنا جی چاہے کوئی کوشش کرلے۔ مسلح افواج میری منفرد خدمات کو فراموش نہیں کر سکتیں کہ میں نے ان کے مجروح وقار کو بحال کیا۔ میں نے ایک بے فولاد ڈھانچہ کو فولادی بنایا۔ میں نے قوموں کی برادری میں پاکستان کا وقار بلند کیا۔

۱۳۵:۔ پاکستان پیپلز پارٹی ملک میں سب سے بڑی قومی جماعت ہے اس کی جڑیں ہر جگہ ہیں لیکن سندھ اور پنجاب میں یہ جڑیں بالکل غیر متزلزل ہیں ان دونوں صوبوں میں پارٹی سب سے طاقتور ہے۔ لیکن اس کا پیغام اور اس کی گرفت تیزی کے ساتھ سرحد اور بلوچستان میں بھی بڑھ رہی ہے عظیم عوام کی یہ عظیم جماعت سیاسی آدم خور نہیں بن سکتی۔ یہ صوبائی عصبیت اُبھر کر اپنے ہی ہم جنسوں کو نوالہ نہیں بنا سکتی۔ جس طرح ایک فوج اپنا اسلحہ خانہ تباہ کر کے جنگ نہیں لڑ سکتی۔ اس طرح پاکستان پیپلز پارٹی اپنے سیاسی درخت کی شاخیں نہیں کاٹ سکتی پیراگراف نمبر، کے مندرجات سراسر بہتان بے سرو پا غلط بیانی ہے۔ یہ ایک ایسا جھوٹ ہے جو خود بخود ظاہر ہو جاتا۔

۱۳۶:۔ رپورٹ کا پیراگراف نمبر ۸ مکمل طور پر بے بنیاد ہے میرا "نومنتر گروپ خود ٹولہ ہی ہے۔ اس کی وضاحت کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

۱۳۷:۔ قومی سلامتی کے مشیر کو جو ایک جرنیل ہے ایک ایسے بین الاقوامی مرتبہ کے قومی رہنما کی انسدادی نظر بندی کے لئے جو ملک کا صدر اور وزیر اعظم رہ چکا ہے۔ ایسا مواد فراہم کرنا چاہئے تھا جو مکمل طور پر صحیح ہو۔ یہ کانچ کی گڑیوں کا کھیل نہیں۔ یہ دستاویزات اس شرمناک حد تک عجلت میں وضع کی گئی ہیں کہ ان میں بنیادی غلطیاں اور واضح تضادات موجود ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ فوری مقصد کے حصول کے لئے جو بد دیانتی کی گئی ہے اس کو چھپانے کی طرف بھی معمولی سی توجہ نہیں دی گئی۔ مثال کے طور پر زیرِ نظر دستاویز کے پیراگراف نمبر ۹ میں کہا گیا ہے کہ انٹیلی جینس بیورو کی ۱۸ اگست ۱۹۷۷ کی رپورٹ میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ پی پی پی

کے بعض کارکنوں کو "عزت جی وال" گاؤں اور لاڑکانہ کی کچی آبادی میں آتشی اسلحہ کے استعمال کی تربیت دی جا رہی ہے۔

۱۳۸:- میں یہ بات مکمل یقین اور کسی تردید کے خدشے کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ پورے ضلع لاڑکانہ میں "عزت جیون" نام کا کوئی گاؤں نہیں۔ میں اپنے ضلع کے ہر گاؤں کے بارے میں جانتا ہوں چنانچہ یہ بات وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس نام کا کوئی گاؤں اس ضلع میں نہیں۔ علاوہ ازیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نہ تو ریڈ ڈنگ ایجنسی اور نہ ہی قومی سلامتی کے مشیر کو "کچالینڈ" کے معانی کا علم ہے صوبہ سندھ میں ضلع لاڑکانہ کی تین تحصیلوں کا وسیع علاقہ کچا کہلاتا ہے اور یہ تین تحصیلیں رتوڈیرو، لاڑکانہ اور ڈوکری ہیں۔ یہ کچا علاقہ دریائے سندھ کے اردگرد ہے اور سیلاب سے بچاؤ کے لیے اس اراضی کے لیے کوئی بند نہیں چنانچہ سیلاب اکثر ان علاقوں میں آجاتا ہے "آب کلانی موسم" کے بیشتر عرصے میں یہ علاقہ زیر آب رہتا ہے جس کا مطلب ہے کہ مئی سے ستمبر تک یہ کچا علاقہ زیادہ تر پانی میں ڈوبا رہتا ہے۔ خاص طور پر جولائی اور اگست کے مہینوں میں یہاں بہت زیادہ پانی آجاتا ہے۔ چنانچہ دستاویز میں "کچے" علاقوں میں تربیت قسم کی جس شے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بالکل اسی طرح ہے۔ جیسے سمندر کی لہروں پر گھوڑے دوڑا دیئے جائیں۔ ایک طرف تو یہ الزام لگایا گیا ہے کہ میں نے دادو نہر سے سیراب ہونے والی زمین پر سڑکیں اور پل بنوا دئیے ہیں۔ اس خطے کو تہذیب کی روشنی سے منور کر دیا ہے اور واپڈا کے کروڑوں روپے اس کی ترقی پر خرچ کر دیئے ہیں۔ اس کے برعکس دوسری طرف اس جگہ کو ایسی بے آباد اور غیر ترقی یافتہ تصور کیا گیا ہے۔ جو پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے لئے آتشیں اسلحہ کی تربیت کی غرض سے مثالی حیثیت رکھتی ہو۔ آخر دستاویز میں کوئی تو ربط و تسلسل ہوتا۔ زمینوں کے بارے میں معمولی سا علم تو ہوتا۔

۱۳۹:- اس مضحکہ خیز دستاویز کے دسویں پیرگراف کا اختتام کرتے ہوئے لکھا گیا ہے "ان تمام رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک میں امن عامہ کو خطرے کے

امکانات پیدا ہو رہے ہیں کیونکہ کم از کم ایک سیاسی جماعت کو یقین ہو گیا ہے کہ جارحیت کا کھیل کھیلنا اس کے مفاد میں ہے۔

"جارحیت کا کھیل" جیسے فوجی الفاظ کا استعمال قابلِ فہم ہے کیونکہ جس جنرل نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں، کھاریاں کا کور کمانڈر رہے ہے جو ملک کی سب سے بڑی چھاؤنی ہے۔ لیکن سیاسی اعتبار سے یہ ساری دستاویز "معروضی اعتماد" کے دیوالیہ پن کا شکار ہے یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حوالہ ایک سیاسی جماعت کا نہیں بلکہ سیاسی جماعتوں کا دیا گیا ہے، جارحیت کے کھیل کا خطرہ کسی ایک پارٹی سے نہیں بلکہ جماعتوں سے منسوب کیا گیا ہے، چونکہ جو اقدام تجویز کیا گیا ہے، وہ اختیاری نوعیت کا تھا اس لئے غیر جانبداری اور دیانتداری کا تقاضا تھا کہ جیسا کہ دستاویز کے خالق نے دستاویز میں ظاہر کیا ہے۔ احتیاطی تدبیر کے طور پر دوسری سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کو بھی مارشل لا، حکم نمبر ۱۲ کے تحت نظر بند کر دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا، عید الفطر کے مقدس تہوار پر جب ابھی دوسرے دن کی صبح بھی طلوع نہیں ہوئی تھی تو چاروں صوبوں سے پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کو حراست میں لے لیا گیا۔ ان رہنماؤں میں پارٹی کے چیئرمین بھی شامل تھے۔ اگر صرف دستاویز کے مندرجات کو ہی بنیاد بنایا جائے تب بھی یہ اقدام انتہائی شر انگیز اور امتیازی سلوک کا حامل تھا اور اس سے حکومت کی بدنیتی آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہی تھی۔

۱۴۰:- یہ دستاویز قومی سلامتی کے مشیر نے اپنی سفارشات کے ساتھ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۷ء کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سی او ایس کی وساطت سے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو بھیجی۔ یہ وہی دن تھا جب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے راولپنڈی میں کھلے عام اعلان کیا تھا کہ میں نے مارشل لاء کے کسی حکم یا ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کی۔

۱۴۱:- سی او ایس یا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر دستخطوں سے پتہ

نہیں چلتا کہ وہ سی ، او ، ایس ہیں یا چیف مارشل لا ، ایڈ منسٹریٹر) نے قومی سلامتی کے مشیر کی سفارشات کی توثیق یا منظوری (جیسا کہ معاملہ ہو) نہیں کی تھی۔ اس نوٹ میں لکھا گیا ہے "اس معاملے کو زیر مشاہدہ رکھنے کی ضرورت ہے" فاضل عدالت نے یہ بات بھی نوٹ کی ہوگی کہ اس دستاویز کا خالق لیفٹیننٹ جنرل غلام حسن مشیر برائے نیشنل سیکورٹی ہے جس کی رشتہ داری ۱۹۷۷ء میں ہونے والی ایک شادی کے نتیجے میں ولی خان کے ساتھ قائم ہو چکی ہے، چونکہ ولی خان کی میرے اور میری پارٹی کے ساتھ دشمنی عیاں ہے ، اس لئے غلام حسن اور ولی خان کے خاندانوں کے مابین ازدواجی رشتہ داری کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ان حالات میں یہ امر اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر لیتا ہے جبکہ عام طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ ولی خان کی رہائی کے فیصلے میں غلام حسن نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

۱۴۲:- جب ۲۸ اگست ۱۹۷۷ء کو چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر سے میری ملاقات جنرل چشتی کی موجودگی میں ہوئی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ولی خان کو راولپنڈی کے سول اینڈ ملٹری ہسپتال سے واپس حیدرآباد جیل بھیج دیا گیا ہے کیونکہ ولی خان کے ساتھ ان کے مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوجی حکومت میں سے کسی بہت بڑی شخصیت نے چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے ہر وقت بدلتے رہنے والے ذہن کو ایک مرتبہ پھر تبدیل کر دیا تھا۔

۱۴۳:- اب میں سیکرٹری داخلہ کی ۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء کی دستاویز کی طرف آتا ہوں ، اس میں پانچ مبہم الزامات عائد کئے گئے ہیں ، دستاویز کے پیراگراف نمبر (اے) میں لگائے گئے الزامات کا جواب دیتے ہوئے میں اس خط کا جواب بھی دوں گا جو سندھ کے مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء کو چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کو لکھا تھا ، کیونکہ متذکرہ خط کا نفس مضمون اور مندرجات سیکرٹری داخلہ کی دستاویز کے پیراگراف نمبر (اے) کے الزامات سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء کے خط میں سندھ کے مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے بڑے

سخت الفاظ میں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے سفارش کی ہے کہ "ان کے مکروہ اور مذموم عزائم کا خاتمہ کرنے اور ملک کی سلامتی اور استحکام کے تحفظ کی خاطر" ان رہنماؤں کو فوری طور پر حراست میں لے لینا چاہیئے پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین کے علاوہ متذکرہ خط میں ان رہنماؤں کا ذکر کیا گیا تھا۔

(۱) جناب عبدالحفیظ پیرزادہ

(۲) جناب ممتاز علی بھٹو

۱۴۴:۔ یہ دونوں رہنما کسی بھی غیر جانبدار عدالت میں اپنے بے گناہی ثابت کرنے اور اپنے آپ کا دفاع کرنے کی مکمل اہلیت رکھتے ہیں، تاہم پارٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے میں ان المناک اور غیر اخلاقی اقدامات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جن کے ذریعے ملک کے ان نوجوان اور مخلص رہنماؤں کو پابہ زنجیر کیا گیا۔

۱۴۵:۔ جناب عبدالحفیظ پیرزادہ کے والد محترم جناب عبدالستار پیرزادہ بجائے خود ایک ممتاز قومی رہنما تھے، قائداعظم انہیں بے حد پسند کرتے تھے، قیام پاکستان سے پہلے جناب عبدالستار پیرزادہ حکومت سندھ کے ہونہار اور ممتاز وزیر تھے جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو سندھ میں سے قائداعظم نے انہی کا انتخاب کیا اور انہیں وفاقی وزیر خوراک وزراعت مقرر کیا، وہ پانچ برس سے زائد عرصہ تک وفاقی وزیر رہے۔ اس کے بعد وہ سندھ کے وزیر اعلیٰ بن گئے، ون یونٹ کے قیام کے بعد وہ حکومت مغربی پاکستان کے قانون اور پارلیمانی امور کے وزیر مقرر ہوئے۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ جناب عبدالستار پیرزادہ نے قیامِ پاکستان میں کوئی معمولی کردار ادا نہیں کیا بلکہ ان کا کردار بڑا نمایاں تھا۔

۱۴۶:۔ ان کے صاحبزادے جناب عبدالحفیظ پیرزادہ ۱۹۶۹ء میں پاکستان

پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے اور پارٹی کے فعال رکن بن گئے۔ ۱۹۷۱ء میں وہ وفاقی وزیر اطلاعات و تعلیم بنے۔ میری حکومت کے غیر قانونی طور پر معزول ہونے سے پہلے وہ وزیر خزانہ اور بین الصوبائی رابطہ کے وزیر تھے۔ جب میاں محمود علی قصوری نے وزارت قانون کا قلمدان چھوڑا میں نے جناب پیرزادہ کو قانون اور پارلیمانی امور کا وزیر مقرر کیا۔ انہوں نے بڑی کامیابی سے پارلیمنٹ میں آئین کا بل پیش کیا۔ چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب پیرزادہ نے ۱۹۷۳ء کے آئین کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس امر پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ صرف دو ماہ بعد ہی پیرزادہ جیسے ذمہ دار اور محب وطن رہنما نے ایسی سرگرمیاں شروع کر دیں جو ملک کی سلامتی اور استحکام کے منافی تھیں یا انہوں نے علاقائیت کے تعصب کو ہوا دینا شروع کر دیا یا امن امن عامہ کا مسئلہ پیدا کر دیا جو طاقتور مارشل لا کے لئے خطرے کا باعث ہو سکتا تھا۔

۱۴۷:۔ جناب ممتاز علی بھٹو کو بھی ایسے ہی مبینہ الزامات کے تحت طعن تشنیع کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ جناب ممتاز بھٹو کے والد گرامی جناب نبی بخش خان بھٹو اس وقت نئی دہلی میں کونسل آف اسٹیٹ منتخب ہوئے۔ جب ۱۹۲۱ء میں ان کے بخش خان بھٹو کا انتقال ہو گیا تھا۔ قائد اعظم نے انہیں ریلوے کمیشن جیسے اہم ادارے کا چیئرمین مقرر کیا۔ ۱۹۴۵ء میں جب قائداعظم لاڑکانہ تشریف لے گئے تو انہوں نے جناب نبی بخش بھٹو کے ہاں قیام کیا۔ ۱۹۲۸ء میں جب قائداعظم پہلی مرتبہ لاڑکانہ گئے اور اس کے بعد بھی جب ان کا وہاں جانا ہوا تھا ہر دفعہ یا تو وہ سر شاہنواز خان بھٹو کے ہاں قیام پذیر ہوتے یا جناب نبی بخش بھٹو کے ہاں ٹھہرتے۔

۱۴۸:۔ "دما دم مست قلندر" کا اظہار پہلی مرتبہ میں نے ۱۹۷۰ء کی انتخابی مہم کے دوران کیا تھا اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں لاہور میں جلسہ عام میں بھی میں نے

ہی نعرہ استعمال کیا تھا. لیکن اس وقت کی مارشل لاء حکومت کے لیے یہ الفاظ قابل اعتراض نہ تھے لہذا یہ موقف قطعی بے بنیاد اور غلط ہے کہ جناب ممتاز بھٹو نے "دما دم مست قلندر" کا نعرہ دھمکی آمیز لہجے میں لگایا یا اس کا مقصد کسی ایجی ٹیشن کو ہوا دینا تھا۔

۱۴۹:۔ مئی ۱۹۷۷ء میں جناب ممتاز بھٹو میری حکومت میں وفاقی وزیر تھے ایجی ٹیشن تو اپوزیشن کیا کرتی ہے حکومت کیسے کر سکتی ہے کیونکہ یہ تو خود اس کے اپنے لئے خطرناک ہوتی ہے حکومت ایجی ٹیشن کر کے اپنے ہی پاؤں پر خود کلہاڑی کیسے مار سکتی ہے. صرف مارشل لاء کے لئے راہ ہموار کرنے اور بعد ازاں اس کا جواز پیش کرنے کی غرض سے جناب ممتاز علی بھٹو اور غلام مصطفےٰ کھر کی تقریروں کی جھوٹی اور مسخ شدہ تشریحات پیش کی گئیں بعینہ اسی مقصد کے لئے چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں بیگم نصرت بھٹو کی آئینی پٹیشن کے جواب میں مسٹر کھر کی تقریروں کے غیر معقول جواز پیش کئے۔

۱۵۰:۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ "نئے سندھیوں" اور "پرانے سندھیوں" کے درمیان امتیاز سے کیا مراد ہے. اس قسم کا امتیاز صرف سندھ کے سلسلہ میں روا رکھا جا رہا ہے کیونکہ "نئے پختونوں" اور "پرانے پختونوں"، "نئے بلوچیوں" اور "پرانے بلوچیوں" اور "نئے پنجابیوں" اور "پرانے پنجابیوں" جیسی کوئی بات سننے میں نہیں آتی - آزادی کے تیس طویل برسوں کے بعد اس قسم کے امتیاز برتنے کو کسی طریقے سے قوم کی خدمت قرار نہیں دیا جاسکتا. یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان سے آنے والے مہاجرین کی اکثریت سندھ اور پنجاب میں بس گئی تھی لیکن ایسے مہاجرین صوبہ سندھ کے بارے میں امتیاز کی باتیں کیوں سننے میں آرہی ہیں - ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہم ملک کی وحدت کو قائم رکھیں نہ کہ منتشر کریں. آج پیدا ہونے والا سندھی تو "پرانا سندھی"

ہے لیکن جو غیر سندھی تیس برس پہلے سندھ میں پیدا ہوا وہ "نیا سندھی" ہے۔ یہ امر باعث حیرت ہے۔

۱۵۱:۔ قومی سلامتی یکجہتی اور استحکام کی خاطر ہمیں ملک بھر سے اس قسم کے تعصبانہ امتیازات کو ختم کر دینا چاہیئے۔ پاکستان کا ہر شہری پاکستانی ہے۔ پنجاب کا ہر مستقل باشندہ پنجابی ہے۔ آزادی کے تیس برس بعد ایک پوری نسل کے بعد اور اس کے بعد کہ عوام پاکستان کی سرزمین پر زندہ رہے ہیں اور یہیں انہیں موت آئی ہے اس قسم کے اختلافات پر زور دینا اور انہیں مارشل لاء کو جاری رکھنے کے لئے بارود کے طور پر استعمال کرنا شرمناک ہے۔

۱۵۲:۔ ان دنوں جبکہ شاہ احمد نورانی بھی "اجرک" پہن کر قومی اسمبلی میں جاتے رہے ہیں اور غفور احمد (جو خود کو پروفیسر کہلانے پر اصرار کرتے ہیں) سندھی طرز کی شلوار پہننے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کیا مارشل لاء کی خلاف ورزی نہیں ہوتی ؟ کہ ان کے ایسا کرنے سے حقیقی یا خیالی صوبائی تعصب کو ہوا ملتی ہے۔

۱۵۳:۔ سندھ کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر حقائق اور اعداد و شمار کیوں مہیا نہیں کرتے کہ متذکرہ عرصے کے دوران کتنے غیر سندھیوں نے جن کو "نئے سندھی" کہا جا رہا ہے صوبہ سندھ چھوڑا ہے۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ یہ خط جھوٹ پر مبنی محض پراپیگنڈے کا ایک اشتہار ہے آج کل کراچی میں پہلے سے کہیں زیادہ پختون رہ رہے ہیں ایک بھی پنجابی خاندان نے اب یا "دما دم مست قلندر" کے دوران سندھ نہیں چھوڑا۔ یہی معاملہ تمام نام نہاد نئے سندھیوں پر منطبق ہوتا ہے اور ان نئے ترین سندھیوں پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ جن کے بارے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے دسمبر ۱۹۷۷ء میں بنگلہ دیش کے صدر کے ساتھ

اتفاق کیا ہے کہ انہیں وہاں سے لایا جائے گا۔

۱۵۴:۔ اس خط کے سب سے مزاحیہ اور مضحکہ خیز حصے کو پیش کرنے کی ضرورت ہے اس میں کہا گیا ہے کہ" مسٹر زید۔اے بھٹو کا لاڑکانہ میں یہ کہنا ہے کہ جو اسے ووٹ نہیں دیں گے۔اپنے حقیقی باپ کے بیٹے نہیں ہوں گے۔ نئے سندھیوں کے لئے مزید نفرت کا باعث بنا ہے" یہ جھوٹ سکریٹری داخلہ کے ۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء کی دستاویز کے پہلے صفحہ کے پیراگراف (۱ے) میں موجود ہے۔ اور اس میں میری لاڑکانہ کی ۲۹ جولائی ۱۹۷۷ء کی تقریر کا حوالہ دیا گیا ہے۔

۱۵۵:۔ یہ قطعی مضحکہ خیز اور مزاحیہ ہے کہ کیونکہ جب بھی کوئی سیاستدان ووٹ مانگتا ہے تو وہ ووٹروں کو قائل کرتا ہے۔اور ان سے اپیل کرتا ہے انہیں گالیاں نہیں دیتا۔کسی بھی ایسے سیاست دان کے بارے میں جو میرے جیسا تجربہ رکھتا ہو۔ یہ تصور نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی سے یہ کہے کہ جو مجھے ووٹ نہیں دے گا وہ اپنے باپ کا بیٹا نہیں ہو گا۔اس قسم کے غیر دانشمندانہ اور نفرت پیدا کرنے والے ریمارکس سے ووٹ حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ بلکہ کھوئے جا سکتے ہیں۔ ووٹ پستول کی نالی پر حاصل نہیں کیے جا سکتے اس کے لیے ووٹروں کا دل جیتنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی شخص کسی ووٹر کو گالی نہیں دے سکتا اور نہ ہی انہیں "باسٹرڈ" کہہ سکتا ہے۔

۱۵۶:۔ ووٹ مانگنے اور دوسروں کی ہمدردیاں اور حمایت حاصل کرنے کا یہ طریقہ بے حد غیر معقول ہے۔مقصد تو ان کی حمایت حاصل کرنا ہوتا ہے انہیں اجنبی بنانا نہیں۔تاہم بحث کے طور پر اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ میں عارضی طور پر اپنے عقل و ہوش کو کھو بیٹھا تھا، اور ایسے آگ لگانے والے ریمارکس بھی پاس کر دیئے تھے۔تو اس

قسم کے فضول ریمارکس سے نئے سندھیوں میں نفرت کس طرح پھیل سکتی ہے؟

۱۵۷:۔ البتہ یہ اس صورت میں ممکن ہوتا اگر کوئی نیا سندھی میرے مقابلے میں الیکشن لڑ رہا ہوتا۔ لیکن صورت حال اس کے قطعی برعکس تھی میرے مدمقابل تو پیر آف کنگری نے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تھا وہی پیر آف کنگری جو سندھ کے پیروں کی "بگ ستاروں" یعنی پیر پگاڑو اگر پیر پگاڑو یا پیر آف کنگری سندھی نہیں تو پھر کیمپین کو کا کولا ہے، چونکہ یہ مقابلہ براہ راست ایک عام سندھی اور سندھ کے ایک طاقتور پیر کے درمیان تھا۔ اس لیے میری ۲۹۔ جولائی ۱۹۷۷ء کی تقریر نئے سندھیوں پر اچھا یا برا اثر کیسے ڈال سکتی تھی۔ اس دستاویز میں چائے کے ایک کپ میں اس وقت طوفان پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جب حقیقی طوفان آ رہا ہے۔

۱۵۸:۔ سندھ کا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جس نے یہ خط لکھا حقیقی جنتا کا ایک عضو ہے۔ نیشنل سیکورٹی کے مشیر کی طرح جہاں زیب ارباب کے بھی ولی خان اور کالعدم نیپ کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں۔ اس جنرل پر مارشل لاء کے دو ماہ کے عرصہ میں بدعنوانی کا ایسا داغ لگا کہ اس کے جنتا کے ساتھی اسے انقرہ بھیجنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر بھی اس جنرل کو ملک کا وفادار حاکم گردانا جا رہا ہے اور یہ وہی ہے جو سندھ میں احتساب کے عمل کا کنٹرولر تھا، اس طرح سیکریٹری داخلہ کے ۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء کی دستاویز پیراگراف (الف) کے مندرجات کا جواب پیش کر دیا گیا ہے۔

۱۵۹:۔ پیپلز پارٹی کے لئے یہ سوچنا ہی محال ہے کہ وہ ایک صوبے کے رہنے والوں میں، ان کے یا دوسرے صوبوں کے خلاف برے خیالات اور نفرت پھیلائے اور اس طرح خود اپنی نفی کرے اور اپنی تباہی کو دعوت دے۔ پیپلز پارٹی کا جھنڈا ہر صوبے کے مستول پر اونچا لہرا رہا ہے اور اگر کسی صوبے میں پارٹی کا وجود نہ بھی ہوتا تب بھی پارٹی کا منشور یا پیغام اس

بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ غیر قومی خطوط پر سوچے۔ کسی ایک صوبہ یا مختلف صوبوں کے لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کرنے کی غرض سے حکومت کی طرف سے کوشش خود انہیں کے خلاف جائے گی۔ پاکستان کی سب سے فائق پارٹی کو اس سے ذرّا برابر بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔

۱۶۰:- ۱۰ اگست ۷۷ء کو لاہور میں میری تقریر مجبور محنت کش طبقے کی خدمت کے لئے کئے گئے۔ میرے عہد کا اعادہ تھی۔ میں پورے وثوق سے اس الزام کو مسترد اور اس کی تردید کرتا ہوں کہ میں نے اس تقریر کے ذریعے طبقاتی جنگ شروع کرنے یا سوسائٹی کے ایک حصے کو دوسرے حصے کا مخالف بنانے کی کوشش کی۔ میں محنت کش طبقے کے نصب العین کے حصول کے لئے کئے گئے لافانی عہد سے نہ تو کبھی منکر ہوا ہوں اور نہ ڈگمگایا ہوں۔ یہ میری جد و جہد کا مرکزی حصہ رہا ہے۔ لیکن خانہ جنگی اور دوسرے الزامات ایسے ہی ہیں جیسے پکے ہوئے کھانے پر ٹماٹر کی چٹنی ڈال دی جائے۔

۱۶۱:- یہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ایسے ملک کی حکومت جو ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصہ تک سامراج کے تسلط میں رہا ہو۔ سامراج کو نام نہاد سامراج کہے، جیسا کہ اس دستاویز کے پیرا (بی) میں کہا گیا ہے۔ سامراج کے تسلط کی طرف سے عذر کا اظہار صرف ایک ایسی حکومت ہی کرسکتی ہے جو خود مسلط ہو کیونکہ اس صورت میں ایک بیرونی تسلط ہے اور ایک اندرونی تسلط شاید اسی قدر مشترک کی وجہ سے مارشل لاء کو گورے ڈیوک آف ونگٹن سے ہمدردی کی بنا پر سامراجیوں کو نام نہاد سامراجی کہا گیا ہے۔ کیا حکومت کا موقف یہ ہے کہ سامراجیوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یا یہ کہ آج بھی سامراجیوں کا کوئی وجود نہیں۔

۱۶۲:- اگر کلائیو، وارن ہیسٹنگ اور ملکہ وکٹوریہ، ہمارے خیالات کی پیداوار ہیں تو کیا جبھو نیوں، تین سمتوں اور جنوبی افریقہ پر بھی یہی اصول لاگو ہوتا ہے

اب سمجھ میں آیا کہ یہ حکومت تیسری دنیا کی بات کیوں نہیں کرتی۔ کیسے کر سکتی ہے جب اس کے نزدیک صیہونی سامراجی نہیں ہیں۔

۱۶۳:۔ میں ہر قسم کے استحصالیوں کے خلاف ہوں، لیکن میں نے اپنی متذکرہ تقریر میں عوام سے یہ نہیں کہا کہ وہ ایسی صورتِ حال پیدا کر دیں۔ جیسی ویت نام میں تھی۔ ویت نام کی صورت حال گزشتہ تین سال سے زائد عرصے سے اس ملک کے عوام کے قابو میں ہے۔ سیکریٹری داخلہ کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ "نام نہاد سامراجیوں" کو تین سال ہوئے ویت نام سے نکال پھینکا گیا۔ اب ویت نام میں امن اور خوشحالی کا دور دورہ ہے اس لئے اگر ان کے مطابق میں نے لاہور کے عوام کو ویتنام جیسی "صورتِ حال پیدا کرنے کے لئے کہا تو حکومت کو خوش ہونا چاہیئے۔ بہرحال اگر من گھڑت جملے کو صحیح نہیں گھڑا گیا اور "جیسی" سے مراد ماضی ہے، تب بھی یہ بنیاد ہے۔

۱۶۴:۔ ویت نام کی صورت حال نے خوفناک جنگ کی صورت غیر ملکی مداخلت کی وجہ سے اختیار کی۔ غیر ملکی مداخلت کے بغیر ویت نام خون اور غم و غصے کے ویت نام کی شکل اختیار نہ کرتا۔ کیونکہ میں غیر ملکی مداخلت کا کھلا مخالف ہوں، اس لئے میرے لئے یہ بات ممکن ہی نہیں کہ میں عوام کو ویت نام کی مثال پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا۔ پاکستان کے تاریخی تجربات اور منطقی حالات ویتنام سے مختلف ہیں۔ میں اس سے پوری طرح آگاہ ہوں اور اپنے عوام کو ایسا متوازی راستہ اختیار کرنے کی ہدایت نہیں کروں گا۔ جو ہمارے حالات پر منطبق نہ ہو۔

۱۶۵:۔ مجھے معزول کرنے اور پاکستان کو غیر مستحکم بنانے کے لئے جو بین الاقوامی سازشں کی گئی اس کے بارے میں تفصیلات اور اعداد و شمار کے ساتھ میں کافی وضاحت کر چکا ہوں۔ لاہور اور پشاور میں ۱۰ اور ۱۱ اگست کو کی گئی تقریروں کے متعلق جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے اس کی مزید وضاحت

کی ضرورت نہیں مارشل لاء ایک زہر ہے۔ زہر کے خلاف عوام کے ذہنوں میں زہر گھولنا ممکن ہی نہیں۔ عوام نے یہ زہر دیکھ لیا ہے اور کوڑوں کی صورت گندم کی قلت، ہالہ کی دوزخ فیصل آباد کی آگ، پیٹ فیڈر کے دکھ اور دہشت نگر میں پھیلائی گئی دہشت کی شکل میں وہ مارشل لاء نام کے اس زہر کے تول قرار بھی دیکھ چکے ہیں۔ انہوں نے خود ہی اس زہر کے رسوا کرنے والے اور کمزور کرنے والے اثرات بھی دیکھ لئے ہیں۔ انہوں نے اس کے گھٹن پیدا کرنے والے مفلوج کرنے والے نتائج بھی دیکھ لئے ہیں۔

۱۶۶:- مارشل لاء کے "مارشلوں" نے مارشل لاء کے نفاذ کے مقاصد کے بارے میں اس قدر متضاد بیانات دئے ہیں کہ یہ مارشل لاء اپنے اعلان کردہ مقاصد کے بارے میں خود بھی اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔ لیکن عوام کے ذہن صاف ہیں۔ وہ زہر کے اصل مقصد کے بارے میں جانتے ہیں۔ مجھے ان کو بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اعمال الفاظ سے زیادہ باآواز ہوتے ہیں۔ عوام دُور بیٹھے بھی کوڑوں کی سنسناہٹ سُن سکتے ہیں۔ بارود کی بُو دور سے ہی ان کے نتھنوں تک پہنچ جاتی ہے انہیں معلوم ہے کہ خطرہ کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔

۱۶۷:- پشاور میں گیارہ اور تیرہ اگست ۱۹۷۷ء کو جو تقریریں میں نے کیں ان کے تمام الفاظ مجھے یاد نہیں۔ الزام یہ ہے کہ میں نے یہ کہا تھا یہ تاثر دیا تھا کہ مارشل لاء حکام کا رویہ انتخابات کے بارے میں غیر جانبدارانہ یا منصفانہ نہیں۔ مارشل لاء حکام غیرجانبدار نہیں رہے ہیں۔ انہوں نے کینہ پروری کی حد تک جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس جانبداری کا علم پوری دنیا کو ہے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اپنی جانبداری کو تسلیم کیا ہے انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ وہ اور ان کی حکومت غیر جانبدار رہ ہی نہیں سکتی (انٹرویو، اردو ڈائجسٹ ستمبر ۱۹۷۷ء) حکومت کی جانب داری کے معاملے میں درہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس مسئلے پر بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

یہ بات اتنی کھلی ہے جتنا "گیٹ وے آف انڈیا" نیلسن کی طرح یک چشم اور اتنی ہی جانبدار ہے جتنا رومیو جیولیٹ کے معاملے میں تھا۔ اس میں دشواری صرف یہ ہے ہمارا رومیو جیولیٹ سے وفادار نہیں۔ کبھی جیولیٹ پی این اے ہوتی ہے تو کبھی تحریک استقلال اور کبھی این ڈی پی۔ لیکن پاکستان پیپلز پارٹی اس حکومت کے لئے ہنیبل (HANNIBAL) بن گئی ہے۔ پیپلز پارٹی حکومت کے نزدیک ایسے ہی ہے جیسے کارتھیج روم کے لئے تھا جس طرح رومی سینیٹر کیٹو دوسرے سینیٹروں سے سلام دعا ہی ان الفاظ میں کرتا تھا "کارتھیج کو ہر صورت ختم کردینا چاہئے" اسی طرح چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بھی اپنے پٹھوؤں، حواریوں اور مشیروں سے اسی قسم کے الفاظ میں سلام دعا کرتے ہیں۔ لیکن کارتھیج ختم نہیں ہوسکتا اور ہنیبل (HANNIBAL) کوہ آلپس کو عبور کرلے گا۔

۱۶۸:- مارشل لاء حکومت نے یقیناً میری انتخابی مہم کی راہ میں لاتعداد رکاوٹیں کھڑی کردی ہیں۔ اس حد تک کہ نہ صرف مجھے گرفتار کیا گیا ہے اور ایسے الزامات لگائے گئے ہیں جن سے "الکیپون" (AL-PONE) بھی شرمندہ ہوجائے اور ہٹلر بھی حسد کرنے لگے، بلکہ اس خوف کے تحت انتخابات بھی ملتوی کردیئے گئے کہ میری پارٹی کو اور مجھے الیکشن میں واضح کامیابی ہوگی۔ اگر مارشل لاء حکومت کو انتخابات کرانے کے معاملے میں غیر جانبدار کہا جائے تو جنگ کو امن کہنا ہوگا، یورپ کو ایشیا کہنا ہوگا۔ اور سورج کو چاند۔ یہ دستاویز کا سب سے بڑا دھوکا ہے۔ اس حوالے سے بھی بڑا دھوکا جس میں سامراجیوں کو نام نہاد سامراجی کہا گیا ہے۔

۱۶۹:- میں نے موجودہ بیان میں اور بیگم نصرت بھٹو کی طرف سے دائر کی گئی آئینی درخواست کی سماعت کے دوران اپنی درخواست میں مندرجہ ذیل امور پر تفصیلی وضاحت کی ہے۔

(۱) پاکستان کے داخلی معاملات میں غیر ملکی مداخلت۔

(ii) انقلاب کا مفہوم

(iii) مارشل لاء

۱۷۰:۔ سیکریٹری داخلہ کے بھائی عبدالخالق ۱۹۷۰ء میں مردان سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے۔ سیکرٹری داخلہ نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اس پارٹی کو چھوڑ دیں جو انہیں مردان جیسے سیاسی طور پر اہم علاقے سے منتخب کروا کر قومی اسمبلی میں لائی تھی۔ انہیں کالعدم نیپ میں شامل ہونے پر مجبور کیا گیا جب سپریم کورٹ نے نیپ پر ملک دشمن پارٹی ہونے کی وجہ سے پابندی لگا دی تو سیکریٹری داخلہ کے بھائی عبدالخالق این ڈی پی میں شامل ہو گئے۔ سیکریٹری داخلہ اور ان کے پیارے بھائی عبدالخالق کا ولی خاں سے قریبی تعلق ہے۔

۱۷۱:۔ میں اس بات پر اصرار کرتا ہوں کہ تینوں زیرِ تردید دستاویزات میں مجھ پر لگائے گئے مہمل اور غیر ذمہ دارانہ الزامات چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور ان کے تین منتخب کردہ اہلکاروں اور حواریوں کی طرف سے گھڑے گئے ہیں جو ولی خان کے بہت قریب ہیں۔ یہ سوال آیا ان تینوں کو کلیدی مناصب ولی خاں کی وجہ سے ملے، یا ان کی وجہ سے ولی خاں کو مستقبل کے وزیراعظم کے طور پر پیش کرنے کے لئے رہا کیا گیا۔ اس وقت محض ایک خشک منطقی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ محض اتفاق نہیں کہ صرف دو دن کے اندر پریشر گرکے ذریعے اس مواد کو تیار کرنے کے لئے یہی تینوں افراد چنے گئے۔ یہ بھی محض اتفاق نہیں کہ ان تین افراد نے بد دیانتی سے بے بنیاد انداز میں ولی خان کے الزامات میرے سر تھوپ دیئے۔ ولی خان جو ان کے دکھ سکھ کا ساتھی اور در حقیقت ان کا لیڈر ہے۔

۱۷۲:۔ میں یہ بات دوبارہ کہتا ہوں کہ ان تینوں دستاویزات کا مواد، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء سے بہت پہلے دیکھ لیا ہو گا۔ امنِ عامہ کی صورت حال اور صوبائیت کے بارے میں ممتاز سیاستدانوں سے متعلق

انٹیلی جنس بیورو کی رپورٹیں اور عام رپورٹیں چیف ایگزیکٹو فوری طور پر دیکھتا ہے یہ رپورٹیں یا تو اسی دن دیکھ لی جاتی ہیں یا زیادہ سے زیادہ دوسرے دن صبح کو مجھے یہ اس لیے معلوم ہے کہ میں پاکستان کا وفاقی وزیر صدر اور وزیراعظم رہا ہوں

۱۷۳:۔ یہ اگر مان بھی لیا جائے کہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کام کے معاملے میں ذرا سست ہے۔ تب بھی وہ اگر اڑتالیس گھنٹے کے اندر یہ رپورٹیں نہ دیکھے تو وہ چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نہیں ہوگا۔ پس، جب ۱۳ ستمبر کو اس نے مجھے مارشل لا کے خلاف ہر قسم کے گناہ سے مبرا قرار دیا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ان تینوں دستاویزات میں دی گئی ۱۱ ستمبر تک کی رپورٹوں کا مطالعہ ۱۱ ستمبر تک کر لیا ہوگا۔ چلیں ہم فراخدلی سے کام لیتے ہوئے ایک اور دن دیدیتے ہیں اور ۱۱ کے بجائے ۱۰ ستمبر کہتے ہیں۔ اس کے باوجود اس نے راولپنڈی میں سب کے سامنے ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو مجھے تمام عیوب سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اس تکنیکی دشواری کو دور کرنے کے لئے مارشل لا ایڈ منسٹریٹر سندھ کے ۸ ستمبر ۷۷ء کے خط کے سوا باقی تمام دستاویزات پر چودہ، پندرہ اور سولہ ستمبر کی تاریخیں درج کی گئی ہیں۔

۱۳ ستمبر ۷۷ء کے اعلان پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ ایک بددیانتی پر مبنی تدبیر ہے۔

۱۷۴:۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۲۸ جولائی ۱۹۷۷ء سے ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء تک چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو ملک کے اندر رونما ہونے والے اہم واقعات کا علم نہیں تھا، پاکستان کو چلانے کا یہ ایک عمدہ طریقہ ہے۔ چنانچہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ پاکستان ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ بہر حال اگر یہ بات درست ہے تو ہمیں یقین کرنا پڑے گا کہ چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر جس نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لا نافذ کیا تھا۔ ۱۴ ستمبر تک محوِ خواب حسینہ کی طرح خوابِ خرگوش کے مزے لیتا رہا۔

۱۷۵:۔ اگرچہ وہ پندرہ اور سولہ تاریخ کا مواد سی ایم ایل اے کے ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کے اعلان پر پردہ ڈالنے کے لئے تیار کیا گیا تو اس کے ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ء سے قبل کے اعلانات اور تقاریر پر پردہ کیسے ڈالا جائے گا اس کے علاوہ سی ایم ایل اے ۱۴ ستمبر کو تہران گیا، اور ۱۵ ستمبر کی شام کو واپس آیا۔ اسی دوران ۱۳ ستمبر کو مجھے لاہور میں ضمانت پر رہا کیا گیا۔ ۱۴ ستمبر کو عیدالفطر تھی اسی دن رات کو مجھے مارشل لاء آرڈر نمبر ۱۲ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں ایک دن سے بھی کم عرصے میں سی ایم ایل اے نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ اس کا سابق سپریم کمانڈر یعنی وہ شخص جو ڈھائی ماہ قبل پاکستان کا وزیراعظم تھا، مارشل لاء کے مقاصد کے منافی اور پاکستان کی سلامتی، اور امن و امان کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ نہ صرف یہ کہ الزامات بہت سنگین ہیں، بلکہ جس فرد کے خلاف یہ لگائے گئے ہیں۔ وہ اس ملک کے اعلیٰ ترین عہدے پر فائز رہا ہے۔

۱۷۶:۔ امنِ عامہ کے خلاف مفروضہ سرگرمیوں یا ان اور منی بس ٹائپ مقاصد کے خلاف جس کے لئے مارشل لاء لگایا گیا، من گھڑت کارروائیوں میں ملوث ہونے کے انٹ شنٹ الزامات ان روایتی قسم کے الزامات کی طرح ہیں جو پہلے سے ٹائپ کر کے کسی بیوروکریٹ کی درازیں رکھ لئے جاتے ہیں۔ اور ضرورت پڑنے پر نکال لئے جاتے ہیں لیکن پاکستان کی سلامتی کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام اتنی آسانی اور کسی نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں لگایا جا سکتا۔

۱۷۷:۔ پاکستان کی مخصوص تاریخ کی بنا پر، گذشتہ تیس سال کے دوران ان لوگوں کو جنہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی اور بعد میں اس مخالفت پر قائم رہے۔ گاہے بگاہے جیل بھیجا جاتا رہا ہے۔ ان لوگوں کی پہچان واضح طور پر متعین کی گئی تاریخی شہادتوں کے حوالے سے ہوتی ہے۔ ان میں اکثر مثلاً ولی خان

وغیرہ حکومت کے کسی منصب پر فائز نہیں رہے۔ اس زمرے میں آنے والے افراد نے ملک دشمن اور پاکستان کی سلامتی کے خلاف سرگرمیوں کے جرم میں میں خاصا وقت جیلوں میں گذارا ہے۔ یہ لیبل ان پر چسپاں ہے۔ درحقیقت وہ خود ایک لیبل ہیں۔ ان کا تاریخی کردار جیل کی طرف جانے والی سڑک ہے۔ اس لئے ان افراد کے خلاف پاکستان کی سلامتی کے منافی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ تو لوگ یقین کر لیتے ہیں۔ اس پس منظر اور وضاحت کے بعد بھی اس بات پر زور دینا درست نہیں ہوگا کہ اس قسم کے افراد کی گرفتاریوں پر ملک کے ان حلقوں میں جو ان کے زیر اثر ہیں شکوک وشبہات جنم نہیں لیتے۔

۱۷۸:- دوسرے الفاظ میں، پاکستان کی سلامتی کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے الزامات میں مشہور معروف با اثر علیحدگی پسندوں کو گرفتار کرتے وقت بھی حکومت کو سو دفعہ سوچنا پڑتا ہے۔

۱۷۹:- سال ہی راولپنڈی میں فروری میں وکلاء سے خطاب کرتے ہوئے ولی خان نے کہا کہ میں نے اسے انگریزی کی اس کہاوت کی بنا پر گرفتار کیا تھا کہ "کتے کو بدنام کرو اور پھر اسے پھانسی پر چڑھا دو" (خوئے بدرا بہانہ بسیار) میں نے اسے کبھی کتا نہیں کہا اور نہ اسے بدنام کیا۔ اس کہاوت کا حوالہ دیکر اس نے اپنے آپ کو کتا کہا ہے۔ وہ میرے منظر پر ابھرنے سے بہت پہلے بدنام ہو چکا تھا۔ نہ میں نے اسے پھانسی پر لٹکایا۔ اسے قائداعظم اور لیاقت علی خاں سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا وہ اسے کتا کہتے تھے۔ وہ ان سے پوچھے۔ اور ان کے بعد آنے والوں سے پوچھے کہ کیا انہوں نے اسے بدنام کیا؟ وہ سپریم کورٹ سے پوچھے کہ اس کی اس قسم کی شہرت جس کا وہ ذکر کرتا ہے میں نے بنائی، یا تاریخی ریکارڈ نے، میں نے اسے نہیں لٹکایا۔ اسے خود اس کے سیاسی مقاصد نے لٹکایا، بلکہ چالیس سال سے جمع ہونے والی ان شہادتوں

نے لٹکایا جو چالیس سال سے جمع ہو رہی تھیں۔ اور جن کی سپریم کورٹ آف پاکستان نے تصدیق کی ہے۔ پس نہ میں نے اسے کتا کہا، نہ بدنام کیا اور نہ پھانسی پر لٹکایا۔ ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ اسی ہاتھ کو کاٹتا ہے جو اسے کھانا کھلاتا ہے۔

۱۸۰:- اس بدنامی کے باوجود جو ولی خان نے میرے صدر بننے سے قبل حاصل کر لی تھی، میں نے اسے کافی عرصے کے بعد گرفتار کیا، میں نے اسے اس وقت گرفتار کیا۔ جب ایسا کرنا، ناگزیر ہو گیا تھا۔ میرے لئے نہیں پاکستان کے لئے۔ میں نے کوئی یکطرفہ یا خام خیالی پر مبنی فیصلہ نہیں کیا۔ میں نے آئینی راستہ اختیار کیا۔ میں نے ایک باضابطہ طریقے کی پابندی کی، یہ کام قانون کے مروجہ طریقے کے مطابق کیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں ایک بااثر علیحدگی پسند سے نپٹنے میں کس قدر محتاط تھا۔ اس کے باوجود اس کی اور دوسرے بااثر علیحدگی پسندوں کی گرفتاری پر ردعمل ہوا۔ اس صورتحال میں میں یہ فیصلہ عزت مآب عدالت کی ذہانت پر چھوڑتا ہوں کہ جب پاکستان کے سابق منتخب صدر اور وزیر اعظم کہ جس کا اثر ورسوخ محض ایک دو حلقوں میں نہیں بلکہ پورے ملک میں ہے، پاکستان کی سلامتی کے منافی سرگرمیوں کی من گھڑت الزامات اور یکطرفہ فیصلے کی بنا پر گرفتار کیا جائے گا تو اس فیصلے کے ردعمل کی نوعیت کیا ہو گی؟

۱۸۱:- ملک کے سابق صدر اور وزیر اعظم کو پاکستان کی سلامتی کے خلاف سرگرمیوں کے الزام میں گرفتار کرنا بچوں کا کھیل نہیں۔ یہ عمل بذات خود غیر محب وطن اثرات کا مجموعہ ہے اگر آج لوگوں کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ ایک ریفرنڈم کے ذریعے میرا یا کسی اور لیڈر کا، یا خود کو لیڈر کہنے والے کسی اور شخص کا انتخاب کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ میں پوری آب و تاب کے ساتھ سرخرو ہوں گا۔ پھر بھی یہ حکومت مجھ پر پاکستان کی سلامتی کے

خلاف سرگرمیوں میں ملوث کا الزام لگاتی ہے۔

۱۸۲:۔ میں نے زمین پر بکھرے ہوئے ٹکڑوں سے پاکستان اور اس کی سلامتی کی تعمیر نو کی۔

(۱) ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اسلحہ کی فراہمی پر دس سال سے لگی ہوئی پابندی اٹھالی اور اعلان کیا کہ پاکستان کی سلامتی امریکی خارجہ پالیسی کا بنیادی ستون ہے۔

(۲) میں نے ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ حاصل کیا جو آج کل خطرے میں ہے۔

(۳) تین سال تک میں نے راجستھان کنال کے لئے ایرانی قرضہ رکوائے رکھا۔ اس جنوری میں بھارت نے ایران پر زور دے کر راجستھان کنال کے نام قرضہ حاصل کر لیا۔ جس کا اصل مقصد پاکستان کے خلاف میجینولائن (جنگی لائن) بنانا ہے۔

(۴) میں نے مسئلہ کشمیر کو شملہ میں دوبارہ زندہ کیا۔ لیکن باجپائی نے فروری میں پاکستان آکر اسے موت کی نیند سلا دیا۔

(۵) میں نے پچاس کروڑ ڈالر سے زائد کا جدید ترین اسلحہ خرید کر پاکستان کی مسلح افواج کو جدید خطوط پر استوار کیا۔ میں نے مسلح افواج کو ۸۔ ارب کا سالانہ بجٹ دیا۔ میں نے چین سے اور اس سے کچھ کم ایران سے ادائیگی کے بغیر مناسب مقدار میں اسلحہ حاصل کیا۔

(۶) میں نے ملک کی سلامتی کے تحفظ کے لئے خارجہ پالیسی کو معقول خطوط پر استوار کیا۔

۱۸۳:۔ پاکستان کی سلامتی کو مضبوط کرنے کے لئے میری حکومت کی طرف سے کئے گئے متعدد اقدامات کی مثال دی جاسکتی ہے۔ یہ اہم اور بے ترتیبی سے چنی گئی مثالیں ہیں۔ بہر حال پاکستان کی سلامتی کے مسئلے پر

بھارت کے برابر جگہ دینے میں ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۵ء تک امریکہ نے اور ۱۹۶۵ سے ۱۹۷۰ء تک عوامی جمہوریہ چین نے اہم کردار ادا کیا۔ جب صدر کینیڈی نے اقتدار سنبھالا تو امریکہ کی عالمی پالیسی، متعدد عالمی وجوہات کی بنا پر تبدیل ہو چکی تھی، ان تبدیلیوں سے پاکستان بنیادی طور پر متاثر ہوا۔ بہر حال بھارت کی طرف سے دھمکیوں کے مقابلے میں پاکستان کی سلامتی کو مضبوط بنانے کے لئے چین نے امریکہ کی جگہ لے لی۔

۱۸۴:۔ ہم اب دیکھ رہے ہیں کہ ۱۹۶۲ء میں چین بھارت سرحدی تنازعہ کے بعد پہلی دفعہ بھارت چین کے درمیان تعلقات میں گہری تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ پاکستان کی سلامتی سے متعلق مفاد کا حساب کتاب کرتے وقت یہ واحد عنصر سب سے زیادہ اہم نظر آتا ہے چین اور بھارت نے آپس میں پنگ پانگ، کھیلنا شروع کر دیا ہے۔ بہتر ہو گا۔ کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو مشورہ دیا جائے کہ وہ میری سرگرمیوں کے بھوت کا سایہ تلاش کرنے کے بجائے، پنگ پانگ کا میچ دیکھے۔ پاکستان کی سلامتی ایک اہم مشن ہے۔ اس کے تحفظ کے لیے اہم فیصلوں کی ضرورت ہے۔ اس کا تحفظ مجھے بے بنیاد اور من گھڑت تقریروں کی بنا پر اور مفروضہ سرگرمیوں کی بنا پر کوٹ لکھپت جیل میں ڈال کر نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کی سلامتی کا تحفظ میرے خلاف کینہ پروری اور منتقمانہ کارروائیوں کے ذریعے نہیں کیا جا سکتا۔

۱۸۵:۔ اس حکومت کی انتقام پسندی لاثانی ہے۔ میرے اور میرے بچیرے بھائی کے (جو پاکستان پیپلز پارٹی کا ایک اور ستون ہے) خلاف جو کچھ کیا جا رہا ہے اس سے بھی اطمینان نہیں ہوا تو یہ حکومت میری بیوی کو سیاست کے لئے نااہل قرار دینے پر تل گئی ہے۔ یہ حکومت جو پہلے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۷ء کو میری بیوی کا سر پھاڑ چکی ہے۔ اب چادر سے گھسیٹ کر ٹربیونل میں لانا چاہتی ہے تاکہ اسے گردن زدنی قرار دیا جا سکے۔ اس سے پہلے بھی انہیں وکیل کے ذریعے نمائندگی

کے حق سے محروم کرتے ہوئے ٹربیونل میں گھسیٹا گیا ہے۔ ان کو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روکنے کے لئے مارشل لاء کا نیا ریگولیشن یا آرڈر جاری کیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ٹربیونل کے فیصلے سے قبل ہی انہیں مجرم قرار دے دیا گیا ہے۔ ٹربیونل میں پیش نہ ہونے کی صورت میں انہیں ۱۴سال قید بامشقت کی دھمکی دی گئی ہے۔ یہ ہے وہ سلوک جو پاکستان کی سابق خاتون اوّل سے کیا جا رہا ہے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مارشل لاء کی مشین سے اس قسم کے اور دوسرے ڈریکولائی ریگولیشن کیوں برآمد ہو رہے ہیں۔ یہ "چادر" کا احترام ہے۔

۱۸۶:۔ پاکستان میں ایک عورت ہے جس کے سر پر چادر ہونی چاہیے وہ عورت بیگم ضیاء الحق ہے "چادر" صرف اسی عورت کے سر پر ہونی چاہیئے۔ وہ اس لئے کہ ضیاء الحق ایک مومن ہے اور چادر کے نظریئے کا خالق۔ مثال اس کی بیوی کو قائم کرنی چاہیئے۔ ٹیلی ویژن کی خوبصورت اناؤنسروں کو نہیں جنہیں اپنے سروں پر چادریں ڈالنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ میری بیوی کو قذافی سٹیڈیم میں کرکٹ میچ کے دوران زدوکوب کیا جاتا ہے۔ بیگم ضیاء الحق پیکنگ جاتی ہے اور اسی اسٹیڈیم میں مسز کالہان کے ساتھ کرکٹ میچ دیکھنے جاتی ہے۔ میری بیوی کو بار بار نظربند کیا جاتا ہے۔ بیگم ضیاء الحق پیکنگ جاتی ہے اور دعوتیں کھاتی ہے۔ میری بیوی اولیاء کے مزار پر بھی نہیں جا سکتی۔ بیگم ضیاء الحق ننگے سر ملکہ ایران کا استقبال کرتی ہے۔ جب کہ اس ملاقات میں ملکہ نے اپنا سر ڈھانکنے کے لئے ہیٹ پہنا ہوا تھا۔

۱۸۷:۔ اب میری بیوی کو خاموش کرایا جا رہا ہے ایک ٹربیونل میں دھکیلا جا رہا ہے اور چودہ برس قید بامشقت کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ ایک قانون تمہارے لئے ہے اور دوسرا ہمارے لئے ہے میں پھر کہوں گا کہ جنرل پتھر سے نہیں کھیل رہا وہ آگ سے کھیل رہا ہے۔ کیا بیوقوفوں میں کوئی ایسا بیوقوف ہے جو

اسے اس حماقت سے روک سکے؟ لیکن ایسا احمق کون ہو سکتا ہے جب کہ ان میں ایک نے گذشتہ روز لاہور میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنرل کو پاکستانی عوام کی نجات کے لیے بھیجا ہے۔ اس شخص نے لیاقت علی خاں، چودھری محمد علی اور نواب مشتاق احمد خاں گورمانی کے بارے میں بھی بالکل یہی الفاظ استعمال کیے تھے جب اس درویش نے غلام محمد کے دونوں گالوں کو بوسہ دیا تو اس پر فالج کا حملہ ہو گیا۔ یہ اس کا طریق کار ہے۔

۱۸۱:۔ مارچ کے اس مہینے میں اس حکومت نے اپنی کامیابیوں کو مزید درخشاں کرنے کے لیے سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی عائد کر دی ہے۔ جو اس مہینے کے آخر تک رہے گی۔ اس قسم کا گناہ آلود اور کریہہ حکم تو برٹش والڈ دور میں بھی جاری نہیں کیا گیا تھا اس حکم نے پورے پاکستان کو ایک نظر بند کیمپ میں تبدیل کر دیا ہے۔ مارچ کے اسی مہینے میں بھارت کے جمہوریت پسند مسلمانوں نے حال میں اس بدقسمت سرزمین اور اس کے دکھی عوام کی بجائے ایک ہنستے، مسکراتے اور جمہوری پاکستان کے لیے اپیل کی ہے۔ مارچ کے اس مہینے میں خیبر سے کراچی تک عوام کو حکم دیا گیا وہ خاموش ہو جائیں۔ اپنے ہاتھ نہ ہلائیں اور تیس روز کے لیے ایک کونے میں دبک جائیں۔ یہ برٹش والڈ" حکم اس لیے نافذ ہوا ہے۔ کہ آقاؤں کی جانب سے دی گئی حقیر سہولتوں کا فائدہ واپس لے لیا جائے۔ اور اس لیے کہ ان حیوانوں نے چار دیواری کے اندر اجلاسوں کی مخالفت یہ کہہ کر کی تھی۔ کہ یہ عمل ایسا ہے جیسے کوئی کتا ہئر کے اندر سے کسی پر بھونکے۔ اس سرکاری ترجمان کو جس نے اس برٹش والڈ" حکم کی یہ وضاحت پیش کی ہے۔ شرم آنی چاہیے۔ اسے یہ کہنے کی بھی اجازت ہوئی ہے کہ عوام کو ایک دھچکا لگانے کی ضرورت تھی۔ برطانوی سامراج کی غلامی کے وارث اس دھچکے کے لیے شکر گذار ہیں جو نہ تو کرزن نے اور نہ ہی میٹولی نے دیا۔ وہ ان کوڑوں اور ایذا رسانی کے بھی شکر گزار ہیں۔ جنہیں نہ تو لنلتھگو نے اور نہ ہی ڈلہوزی نے روا رکھا۔ اس سے بڑھ کر وہ اس تذلیل کے بھی شکر گزار ہیں

جو صرف بڈھسن اور نکلسن نے ہی کی۔ ملک سے انتقام لینے کی یہ عظیم الشان کارکردگی ہے۔

۱۸۹: ملک میں موجودہ صورت حال بالکل مختلف ہے۔ عوام بیماریوں اور مارشل لاء سے اکتا چکے ہیں۔ پہلا مارشل لاء ان کے لئے "ایک" امید" تھا۔ دوسرا مارشل لاء ایک "المیہ" تھا اور تیسرا مارشل لاء ایک "تماشا" ہے اور چوتھے مارشل لاء کو مسلط کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ مجھے "ماڈرن میکاولی" کا نام دیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اس ماڈرن میکبتھ کے متعلق کیا خیال ہے۔ جو سزا ملنے کے خوف سے جان بوجھ کر ایسی خونی اور غلط راہ پر چل نکلا ہے جہاں سے واپسی نہیں ہو سکتی۔ میرا وقت جیل میں گزر جائے گا۔ آپ کا وقت دفتر میں گزر جائے گا۔ تاریخ کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ اس کو بدلا نہیں جا سکتا۔

۱۹۰: ہر ایک الزام تضادات سے بھرپور ہے اور بدنیتی کے تحت لگایا گیا ہے تاہم یہ بات دہرائی جاتی ہے کہ انفرادی طور پر میری ذات کے لئے اور غیر انفرادی طور پر پاکستان کے لیڈر کی حیثیت سے انتہائی تکلیف دہ الزام ملک کی سالمیت کے منافی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا لگایا گیا ہے۔ اس انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور زہریلے الزام کے مضمرات میں صرف اکیلے میرا وقار ہی ملوث نہیں ہوتا۔ اس میں ملک کا وقار بھی ملوث ہوتا ہے۔ پاکستان کے صدر کی حیثیت سے میں مملکت کے وقار کی علامت تھا وزیر دفاع اور وزیر اعظم کی حیثیت سے میں ملک کے تحفظ اور سلامتی کی علامت تھا۔ چونکہ الزام بڑی سنگین نوعیت کا ہے اور چونکہ ہمارے ملک پر اس کے بے پایاں ردعمل کے نتائج زیادہ سنگین ہو سکتے ہیں اس لئے میں نے یہ درخواست کی تھی کہ معزز عدالت الزامات کی صداقت معلوم کرنے کے لئے بعض اہم سرکاری دستاویزات طلب کرے

۱۹۱: انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس ضمن میں میری پوزیشن صاف ہونی چاہیئے۔ گذشتہ چھ ماہ کے دوران انصاف کو کچلا گیا ہے۔ اور اس کو

بالسے طاق رکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے میں حقیقت کو حقیقت نہ بیان کرتا رہا ہوں سچائی اور اپنے وقار کے دفاع میں تیز الفاظ کا استعمال کرنے خوشی کی بات نہیں لیکن اس سے زیادہ تیز اور بیہودہ الزام بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ اس ضمن میں اسی جذبہ کے تحت میں معزز عدالت سے درخواست کروں گا کہ وہ کچھ اور متعلقہ سرکاری دستاویزات طلب کرے۔ پاکستان کے ایک وفادار شہری کی حیثیت سے میرے وقار کی بحالی کے لیے یہ دستاویزات لازمی ہیں۔ استحقاق سے متعلق قانون یا کوئی دوسرا تکنیکی اعتراض اس وقت زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جب اس بات کا فیصلہ کیا جا تا ہو کہ آیا ایک سابق سربراہِ مملکت اور انتظامی سربراہ ملکی سلامتی کے منافی سرگرمیوں میں ملوث ہوا ہے یا نہیں۔

۱۹۲: حکومت کو اس قسم کے سنگین الزامات لگاتے ہوئے ان کے نتائج پر سنجیدگی سے غور کر لینا چاہئے تھا۔ حکومت نے اپنے الزامات کی حمایت میں سرکاری دستاویزات کے استحقاق کا معاملہ اٹھایا ہے۔ لیکن جھوٹے اور مفروضہ الزامات کی تردید کئے جانے کے دوران یہ میری صفائی میں حائل ہونے کے لئے استحقاق کی آڑ نہیں لے سکتی۔

پہلے جن دستاویزات کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ دوسری دستاویزات یہ ہیں:-

(۱) مارچ ۱۹۶۵ء میں پیکنگ میں پاکستان کے صدر ایوب خاں اور وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور چین کے صدر لیوشاؤچی اور وزیراعظم چو این لائی کی ملاقات کی۔ وڈیرا دبہ ایک عدد ملاقات تھی اور یہ پیکنگ کے گیسٹ ہاؤس میں ہوئی۔

(۲) اس ضمن میں مارچ ۱۹۶۵ء میں شنگھائی میں منعقدہ وزیراعظم چو این لائی اور صدر ایوب اور وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کی ملاقات۔

(۳) اس ضمن میں پیکنگ میں جون ۱۹۶۶ء میں ہونے والی وزیراعظم ہوا کو فنگ

اور وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی ملاقات۔

(۴) پاکستان کی مسلح افواج کی دسمبر ۱۹۷۱ء کے بعد تعمیر کے بارے میں میری حکومت کی کوششوں کے متعلق وزارتِ دفاع کی جانب سے ۱۹۷۷ء کے اوائل میں تیار کردہ دستاویز۔

(۵) جون ۱۹۷۲ء کا شملہ معاہدہ۔ یہ دکھانے کے لئے کہ مطلوبہ اقدامات مکمل ہونے کے بعد یہ ضروری تھا کہ تعلقات کو معمول پر لانے کا مرحلہ شروع کرنے سے پہلے "تنازعہ جموں و کشمیر کے تصفیہ کے لئے مذاکرات کئے جائیں سیڑھی کا بنیادی زینہ چھوڑ کر آخری زینے پر چھلانگ لگانا اور تعلقات معمول پر لانے کی پیش کش شرط کو پورا کئے بغیر تعلقات معمول پر لانے کے عمل میں داخل ہونے کا مطلب پاکستان کے موقف سے دستبردار ہونا ہے۔

ہاکی میچوں کا مرحلہ، مہدی حسن کے گانے اور زراعت کے مشیر کی جانب سے زراعت میں سبق لینے کی باتیں، اور دوسری تمام خیر سگالیاں بعد میں ہونی چاہئیں تھیں۔ نہ کہ "تنازعہ جموں و کشمیر کے تصفیہ سے پہلے۔

دنیا کو یہ یقین دلایا گیا ہے۔ خاص طور پر بھارتی وزیر خارجہ کے دورہ پاکستان کے بعد، کہ بھارت اور پاکستان اپنے تعلقات معمول پر لے آئے ہیں۔ اور یہ کہ ان کے درمیان اب کسی "تنازعہ کا کوئی وجود نہیں" ولی خان کی جانب سے امریکہ اور روس کے درمیان مفاہمت کا حوالہ یہ ظاہر کرنے کے لئے دیا گیا ہے کہ اگر دو بڑی طاقتوں کے درمیان ان کے اختلافات کے باوجود مفاہمت ہو سکتی ہے۔ تو یہی بات بھارت اور پاکستان کے درمیان بھی ہو سکتی ہے۔ یہ مکمل طور پر جھوٹا اور بد دیانتی والا تجزیہ ہے جس مفاہمت پر عمل ہو رہا ہے۔ اس سے قطع نظر کر کے بھی دیکھا جائے تو روس اور امریکہ کے درمیان ایسا کوئی علاقائی

تنازعہ نہیں رہا۔ جیسا کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارتی وزیر خارجہ فتح و شادمانی کے ساتھ نئی دہلی واپس گیا۔ اور اس نے لوک سبھا میں تاریخی تقریر کی۔ "وہ آیا" "اس نے دیکھا۔ اُس نے فتح کیا" اور پیارے اور عظیم بھارت" میں واپس چلا گیا۔

۶۔ پاکستان اور افغانستان کے درمیان اگست ۱۹۷۶ء میں لاہور میں تیار کئے گئے، معاہدے کا مسودہ، یہ مسودہ افغانستان کے نائب وزیر خارجہ مسٹر وحید عبداللہ اور پاکستان کے وزیر مملکت برائے امور خارجہ مسٹر عزیز احمد نے پاکستان اور افغانستان کے درمیان واحد موجودہ سیاسی اختلاف کے حل اور بیک وقت تصفیہ کے لئے تیار کیا تھا۔ اس مسودہ میں پاکستان کی جانب سے نیپ کے لیڈروں کی رہائی ہونا تھی اور افغانستان کی جانب سے موجودہ بین الاقوامی سرحد (ڈیورنڈ لائن) کو تسلیم کیا جانا تھا اس معاہدہ کو دونوں ممالک نے بیک وقت پورا کرنا تھا۔

دستخط

ذوالفقار علی بھٹو

مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی جہد و عمل سے
بھرپور زندگی
______ تصویروں کے آئینے میں

مقدمے کا قتل

مرحوم ذوالفقار علی بھٹو ایک دوہری سازش کا شکار ہوئے کیونکہ انھوں نے اپنے ملک کے اہم مفادات کے بارے میں کوئی بھی سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اپریل ۱۹۷۷ء میں مسٹر بھٹو نے پارلیمنٹ میں متنبہ کیا تھا "شکاری کتے میرے خون کے پیاسے ہیں۔" مسٹر بھٹو ایک بین الاقوامی سازش کا شکار ہوئے جس کا مقصد ان کی منتخب حکومت کے استحکام کو توڑنا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مسٹر بھٹو نے ایٹمی توانائی کے پلانٹ کے معاہدہ میں ترمیم کرنے یا اسے منسوخ کرنے سے انکار کر دیا تھا جس پر فرانس کے ساتھ دستخط ہوئے تھے۔ اسی لاہور شہر میں، جہاں مسٹر بھٹو کے خلاف موت کا حکم سنایا گیا، اگست ۱۹۷۶ء میں ایک بڑی طاقت نے مسٹر بھٹو کو متنبہ کیا تھا کہ اگر وہ ایٹمی توانائی کے پلانٹ کے بارے میں اپنا موقف تبدیل نہیں کریں گے تو "ان کو عبرت ناک انجام کو پہونچا دیا جائے گا۔" یہ بڑی طاقت محسوس کرتی تھی کہ اگر پاکستان نے نیوکلیائی ٹیکنالوجی حاصل کر لی تو وہ اسے مسلم ممالک میں بھی منتقل کر سکتا ہے جن کے ساتھ مسٹر بھٹو نے اچھے تعلقات استوار کیے تھے۔ اور اگر عربوں کو نیوکلیائی ٹیکنالوجی پر دسترس حاصل ہوگئی تو تیل کے وہ کنویں جن پر پوری مغربی تہذیب انحصار کرتی ہے چھن جائیں گے اور تیل پر لگائی جانے والی کسی مزید پابندی کی صورت میں یہ ممالک مغرب کی پہونچ سے باہر ہو جائیں گے۔ اس بڑی طاقت کا خیال تھا کہ "ترقی یافتہ مغرب" کی تہذیب کو "پسماندہ" مسلم ممالک کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ حالانکہ اس معاہدہ میں ایسے واضح تحفظات شامل تھے کہ پر امن مقاصد کے لیے حاصل کیا گیا پلانٹ ایٹمی اسلحہ کے پھیلاؤ کا باعث نہ بنے پھر بھی بڑی طاقت کا خیال تھا

کہ پاکستان کے ایٹمی اسلحہ حاصل کرنے کا معمولی خطرہ بھی نہیں مول لیا جاسکتا، اس بنا پر ایسے شخص کی حکومت کے استحکام کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کی پاکستان، اسلامی دنیا اور تیسری دنیا کی خدمات کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا جاتا ہے اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

غیر ملکی طاقتوں اور رکاوٹ ڈالنے والے داخلی عناصر کی مدد سے چند جنرلوں نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ایک فوجی بغاوت کے ذریعہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جائز، منتخب اور مقبول حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس سازش کا پہلا مرحلہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت والی پاکستان عوامی پارٹی کی حکومت کے عدم استحکام سے پورا ہو گیا۔

اپنے نئے اقتدار کی بنیادیں مستحکم کرنے کے لیے، جس کا انحصار عوام کی خواہشات اور رضامندی پر نہیں بلکہ طاقت کے بے رحمانہ استعمال پر تھا، جنرل نے منظم دہشت انگیزی اور مظالم کی راہ اختیار کی جس سے قدرتی طور پر نہ صرف پاکستان بلکہ اس پورے علاقہ کے استحکام کو خطرہ لاحق ہو گیا۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، ان کے خاندان، ان کی کابینہ کے ساتھیوں اور ان کی پارٹی پر کیچڑ اچھالنے کی بدترین مہم اور سب سے گھناؤنے انتقام کا عبرت ناک منظر برصغیر نے دیکھا۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو تباہ کرنے اور راہ سے ہٹانے کے سلسلے میں بے مقصد اور وحشیانہ جذبات کے تحت فوجی حکومت نے اخلاق انسانی اور تہذیب کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔

اپنے غیر متنازعہ سیاسی حریف کو بدنام کر کے، مقدمہ چلا کر اور اس مقبول لیڈر کو بدقسمتی سے قتل کے الزام میں قتل کروانے کی سازش کی۔ لاہور ہائی کورٹ میں قتل کے مقدمہ کے نام سے جو سوانگ رچا گیا وہ درحقیقت مقدمہ کا قتل تھا۔

مسٹر احمد رضا قصوری کے علاوہ، جن کے والد کی موت کی چھان بین عدالت کر رہی تھی، ہر سرکاری گواہوں میں سے ہر شخص سرکاری ملازم تھا اور فوجی حکومت کے رحم و کرم پر تھا۔ چوٹی کے تمام اہم گواہوں نے گواہی دینے سے قبل کئی ماہ فوج اور پولیس کی حراست میں

بسر کیے۔

مسٹر احمد رضا قصوری جنہیں غلط طور پر مسٹر بھٹو کا سیاسی حریف بنا کر پیش کیا گیا ایک منحرف سرکاری ملازم تھے۔ مسٹر قصوری یا ان کے خاندان کے کسی فرد نے کبھی کوئی قومی، صوبائی یا میونسپل انتخاب نہیں جیتا سوائے اس کے جب چیرمین بھٹو نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں انھیں پاکستان عوامی پارٹی کا ٹکٹ دیا۔ مسٹر بھٹو کی پاکستان عوامی پارٹی ۱۹۶۷ء میں قائم ہوئی تھی اور ابتدا میں اس میں صدر یحییٰ خاں کے ایجنٹ گھس آئے تھے۔ جب دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاکستان عوامی پارٹی اقتدار میں آئی تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ مسٹر قصوری انٹیلی جینس ایجنسیوں کے تنخواہ دار تھے اور انھیں کے احکامات پر عمل کرتے تھے۔ جس طرح وہ محض مالی منفعت کی غرض سے جنرل یحییٰ خاں کی فوجی حکومت سے تعاون کرتے تھے اسی صورت سے انھوں نے جنرل ضیا ءالحق کی فوجی حکومت سے بھی تعاون کیا۔ دو ماہ تک مسٹر قصوری نے اپنی اہلیہ کے ساتھ حکومت کے اخراجات پر مغربی ممالک کا دورہ کیا اور وہاں لاہور ہائی کورٹ کے فیصلہ کی دیانتداری کی تبلیغ کرتے رہے۔ مسٹر قصوری خود اور فوجی حکومت، مسٹر قصوری کو مسٹر بھٹو کا "سیاسی حریف" ثابت کرنے کے لیے دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ سابق وزیر اعظم اور ان کی پالیسیوں پر ان کے دورِ اقتدار میں نکتہ چینی کرتے تھے۔ لیکن پاکستان کی پارلیمنٹ کی کارروائی پر نظر ڈالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اور بھی کئی لوگ ایسے تھے جو سابق وزیر اعظم پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ پارلیمنٹ میں، ابلاغ عامہ کے ذریعہ یا عوامی تقریروں میں نکتہ چینی، بحث اور تلخ کلامی، جمہوری سماج کے لازمی اجزا ہیں۔ جو ممالک جمہوری اداروں اور روایات سے آشنا ہیں وہ فوراً یہ نتیجہ نکالیں گے کہ یہ دلیل غلط اور احمقانہ ہے۔ اگر پاکستان کے لیڈر کی زندگی کو اس سے خطرہ لاحق نہ ہوتا تو پاکستان کے عوام بھی اس پر ہنستے۔

اس مقدمے کے تانے بانے ایک میجر جنرل کی قیادت میں مارشل لا کی ایک خصوصی ٹیم نے بُنے تھے اور فیڈرل انوسٹی گیٹنگ ایجنسی کے ڈائرکٹر جنرل مسٹر صغیر انور، خصوصی سرکاری وکیل مرحوم مسٹر انور اور مسٹر جسٹس مولوی مشتاق نے اس میں مدد کی۔ یہی وہ

مسٹر جسٹس مولوی مشتاق ہیں جنھوں نے بعد میں مسٹر بھٹو کے مقدمہ کی سماعت کرنے والی پوری بنچ کی قیادت کی۔ اس ٹیم نے اپنے تیار کردہ مقدمہ کے ایک ایک مرحلہ کی رپورٹ لفٹیننٹ جنرل فیض احمد چشتی کو دی جو "الیکشن سیل" کے سربراہ ہیں اور انھوں نے اس معاملہ کی مرحلہ وار ترقی سے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو آگاہ کیا۔

مارشل لاء کے جابر ارکان کے تیار کئے ہوئے قتل کے اس جھوٹے مقدمہ میں ایسی متزاد باتیں کہی گئی ہیں جن سے اس الزام کا جھوٹ خود بخود کھل جاتا ہے۔ شاید فوجداری قانون کے سالانہ جرائد کا یہ پہلا معاملہ ہوگا جس میں دو سرکاری وعدہ معاف گواہ اور تین غیر سرکاری وعدہ معاف گواہ وہ اقبالی مجرم ہیں جو خود قتل کرنے کا اقبال کرتے ہیں لیکن ان تینوں نے واقعات کی جو روداد بیان کی ہے وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے اور ایک دوسرے کی نفی کرتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں سے لاہور کے قلعہ کی بدنام زمانہ کال کوٹھریوں میں مظالم کے بعد یہ "اقبال" کروایا گیا ہے اور ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ انھیں پھانسی کے تختہ پر نہیں چڑھایا جائے گا بلکہ اس "جرم" کا "اقبال" کرنے کے صلہ میں ایک سال بعد آزاد کر دیا جائے گا اور انعام میں رقومات بھی دی جائیں گی۔ لہٰذا یہ تینوں اقبالی مجرم بھی اس مقدمہ میں دونوں سرکاری وعدہ معاف گواہوں کی صورت سے وعدہ معاف گواہ کی حیثیت رکھتے ہیں (اگر سید احمد کو شامل کر لیا جائے تو ان کی تعداد تین ہوتی ہے)۔

چوتھے اقبالی مجرم مسٹر میاں عباس نے جنھوں نے اپنے بیان کو بدلا اور پھر اس بیان کو بھی بدلا، تفصیل کے ساتھ یہ روداد بیان کی کہ ان سے کس طرح یہ اقبال کروایا گیا، لیکن پاسداری اور تعصب رکھنے والی بنچ نے یہ انتظام کیا کہ یہ بیان عدالت سے باہر نہ جانے پائے۔ جب مجرم نے فوجداری قوانین کی دفعہ ۳۴۲ کے تحت بیان دئے تو حکم دیا گیا کہ سنوائی بند کمرے میں ہوگی۔

اس پورے مقدمے اور جدید بورژوا پریس کی پاکستانی حکومت سے متعلق فرضی کہانیوں کو سرکاری اخبارات، رسائل اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ سنسنی خیز اور

ڈرامائی بنایا گیا تاکہ سابق وزیراعظم کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کی جائے۔ جب دفاعی کارروائی کا وقت آیا (صرف میاں عباس نے دفاع کیا، مسٹر بھٹو نے پاسداری اور تعصب کی وجہ سے کارروائی کا بائیکاٹ کیا) عدالت کی سنوائی بند کمرہ میں ہوئی۔ مقدمہ کی سماعت کرنے والی بینچ نے بند کمرہ کی کارروائی کا بھی مذاق بنا لیا اور تینوں اقبالی مجرموں کے سراسر جھوٹے بیانات کے نشرواشاعت کی اجازت دے دی اور سابق وزیراعظم کے بیانات کے نشرواشاعت پر پابندی لگادی، حتیٰ کہ بینچ نے انھیں خود ان کے بیانات کی فرد فراہم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

قانون کے تمام نظاموں میں قتل کے ہر ملزم کو کھلی عدالت میں سماعت کا حق حاصل ہے۔ اسلامی عدلیہ (قانون کی عام روایات جن پر پاکستان کا نظام قانون مبنی ہے) میں کھلی عدالت کی سماعت ایک لازمی جزو ہے۔ کھلی عدالت کی سماعت کو قانون کے ہر نظام میں ایک بنیادی ستون اس لیے نہیں بنایا گیا ہے کہ ملزم کو غیر ضروری تشہیر مل سکے جیسا کہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ عوام اس سماعت کے ہر پہلو پر نظر رکھ سکیں اور جج ناانصافی نہ کرنے پائیں۔ لیکن لاہور ہائی کورٹ نے اس لازمی اصول کو جو قانون کے تمام مہذب نظاموں میں مشترک ہے رد کرکے اور بالائے طاق رکھ دیا تاکہ بند کمرہ کی سماعت کے دوران عدالت ایک بے گناہ شخص کو جو عوام کا جائز لیڈر تھا، قتل کر سکے۔

لاہور ہائی کورٹ کی خود ساختہ ایمانداری اسی سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر اس اعلان کے بعد کہ ”مقدمہ کھلی عدالت میں چلایا جائے گا“، بینچ نے عدالت کا کمرہ بند کر لیا۔ مسٹر جسٹس مولوی مشتاق نے جن پر مسٹر بھٹو نے دو مرتبہ دوسروں کو سبقت دی تھی، اپنے پسندیدہ ساتھیوں کو سابق وزیراعظم کے خلاف فیصلہ لکھنے کے لیے جمع کیا۔ انھوں نے ان دونوں ججوں کو بینچ میں شامل نہیں کیا جنھوں نے احمد رضا قصوری کی ذاتی شکایت کے معاملہ میں مسٹر بھٹو کی ضمانت منظور کی تھی۔ جب ڈویژنل بینچ کے دو ججوں نے انصاف کو یقینی بنانے اور مسٹر بھٹو کو رہا کرنے کی جرأت کی تو اس بینچ کو ایک سرکاری

اڈہ بنا دیا گیا۔

پہلے ہی مرحلہ میں سیشن عدالت کے بجائے براہ راست ہائی کورٹ میں مقدمہ چلا کر فوجی حکومت اور لاہور ہائی کورٹ نے عمداً مسٹر بھٹو کو اپیل کرنے کے اولین حق سے محروم کر دیا۔ قانونی روایات کی لاتعداد خلاف ورزیوں میں سے یہ پہلی خلاف ورزی تھی۔

لاہور ہائی کورٹ کے دوران سماعت ججوں کا رویہ، بذات خود انصاف کے مسخ کرنے کی گھناؤنی کہانی ہے۔ اس کا سب سے اچھا بیان سابق گورنر اور وزیر اعلیٰ پنجاب نے کیا جب انھوں نے لندن میں بتایا کہ مولوی مشتاق نے ان سے ۱۹۷۵ء میں کہا تھا کہ بھٹو سے نجات حاصل کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ انھیں گولی مار دی جائے۔ یہی شخص بصد اصرار سابق وزیر اعظم کے مقدمے کے فیصلے میں شامل ہوا اور ان کے خلاف موت کا حکم صادر کیا۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں صدر اور وزیر اعظم منتخب کئے گئے۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں ایک بار پھر ان کی پاکستان عوامی پارٹی زبردست اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے انتخابات اچانک یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء کو ملتوی کر دئے گئے کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی تھی کہ اس بار بھی مسٹر بھٹو اور ان کی پارٹی کو زبردست کامیابی حاصل ہو گی۔ پاکستان کی تیس سال کی تاریخ میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو وہ واحد لیڈر رہیں جس نے عوامی انتخابات میں کامیابی حاصل کی وہ بھی ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ۔ کوئی بھی لیڈر اگر عوام کو ان کے حقوق اور آزادیوں سے محروم کرے تو اسے عوام میں مقبولیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن جس صورت سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پاکستان کے عوام کی حمایت حاصل ہوئی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے عوام کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کے بجائے ان کی توقعات اور خواہشات کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ موہن جوداڑو کی تعمیر کے بعد سے پہلی بار انھوں نے بے چہرہ، گمنام اور بے لباس لوگوں کو وقار اور عزت عطا کی۔ پہلی مرتبہ ملک کے وسائل چنیدہ حلقوں کے بجائے سماج کے اکثریتی طبقہ کے مفاد کے لیے استعمال کیے گئے۔ مسٹر ذوالفقار علی

بھٹو اور ان کی پارٹی کے ساتھ غریب عوام کی وابستگی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غریب عوام کا یقین تھا کہ مسٹر بھٹو کی حکومت نے انھیں اقتصادی اور سیاسی فوائد بہم پہونچائے ہیں۔ ایسی ٹھوس بنیادوں پر جس حمایت کا دار و مدار ہو اسے محض اس بنا، پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ ایک غاصب شخص، وزیر اعظم کو "جدید دور کا میکاویلی" کہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کردار کشی، قتل سے لے کر "بد دیانتی پالیسی" تک کے الزامات لگانے کی تمام کوششیں مل کر بھی سابق وزیر اعظم کی عوامی حمایت پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکیں۔



بھٹو کا پاکستانی عوام کے نام آخری پیغام

آخری صفحات پر پڑھیے



پاکستانی عوام کے سنہرے مستقبل
کا معمار .... ترقیاتی منصوبوں
روشنی ڈالتے ہوئے۔



عزم و استقلال کا ہنستا مسکراتا چہرہ جو آج بھی ثابت قدمی
کا درس دے رہا ہے۔

طالب علم، مزدور اور دانشور سبھی اپنے رہنما کی گفتگو میں
اپنے مستقبل کا عکس تلاش کرتے تھے۔





صداقت ہمیشہ سربلند رہی ہے

بھٹو کی تقریریں آج بھی فضاؤں میں
گونج رہی ہیں۔
ان کی آواز...... لاکھوں انسانوں کی آواز
بن چکی ہے۔





پاکستان کے عوام آج بھی پُر امید ہیں کہ شہید بھٹو ایک نئے پیکر میں پھر ان کے سامنے آئیں گے اور انہیں نجات کا راستہ دکھائیں گے



دو مختلف پریس کانفرنسوں کو خطاب کرتے ہوئے
بھٹو کی زبان سے جو لفظ نکلتا تھا، اخباروں کی شاہ سرخی بن جایا کرتا تھا





بھٹو، بے نظیر بھٹو اور مسز اندرا گاندھی کی یادگار
تصویر ــــــ شملہ معاہدہ کے موقعہ پر

وہ معاہدہ جس نے دو عظیم پڑوسیوں کے
درمیان دوستانہ تعلقات کی خوش آئند توقعات قائم کیں۔





بڑے بڑے ملکوں کے سربراہ بھٹو سے ملاقات کو اپنے لئے فخر و مسرت کا باعث خیال کرتے تھے ______ جب وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دورے پر گئے تو صدر نکسن نے ان کا پر تپاک خیر مقدم کیا نیچے کی تصویر میں بیگم نصرت بھٹو اور مسز نکسن بھی نظر آ رہی ہیں ۔





عصرِ حاضر کے عظیم مفکر اور سیاستداں
ماؤزے تنگ سے ملاقات کا شرف بڑے بڑے
سربراہان مملکت کو بھی مشکل ہی سے نصیب
ہوتا تھا۔ مرحوم بھٹو وہ آخری سربراہ مملکت
تھے جن سے ماؤزے تنگ نے ملاقات کی۔
سامنے کی تصویر میں ماؤزے تنگ سے مصافحہ
کرتے ہوئے

کراچی میں چین کے سفارتی نمائندے چیین کے ساتھ بھٹو کا تبادلۂ خیال





عرب رہنماؤں کے ساتھ ایک ڈنر میں شریک ڈنر پہ عالم اسلام کے کئی پیچیدہ مسائل زیر بحث آئے۔

ابوظہبی کے حکمران شیخ زید بن سلطان اوران کے رفقا کے ساتھ جو بھٹو کی دعوت پر مارچ ۱۹۷۴ء میں پاکستان تشریف لائے تھے۔



لیبیا کے صدر قذافی سے بھٹو کے خصوصی مراسم تھے ———— ایک عشائیے میں دونوں رہنما ایک دوسرے کے روبرو متبسم بہ لب ہیں





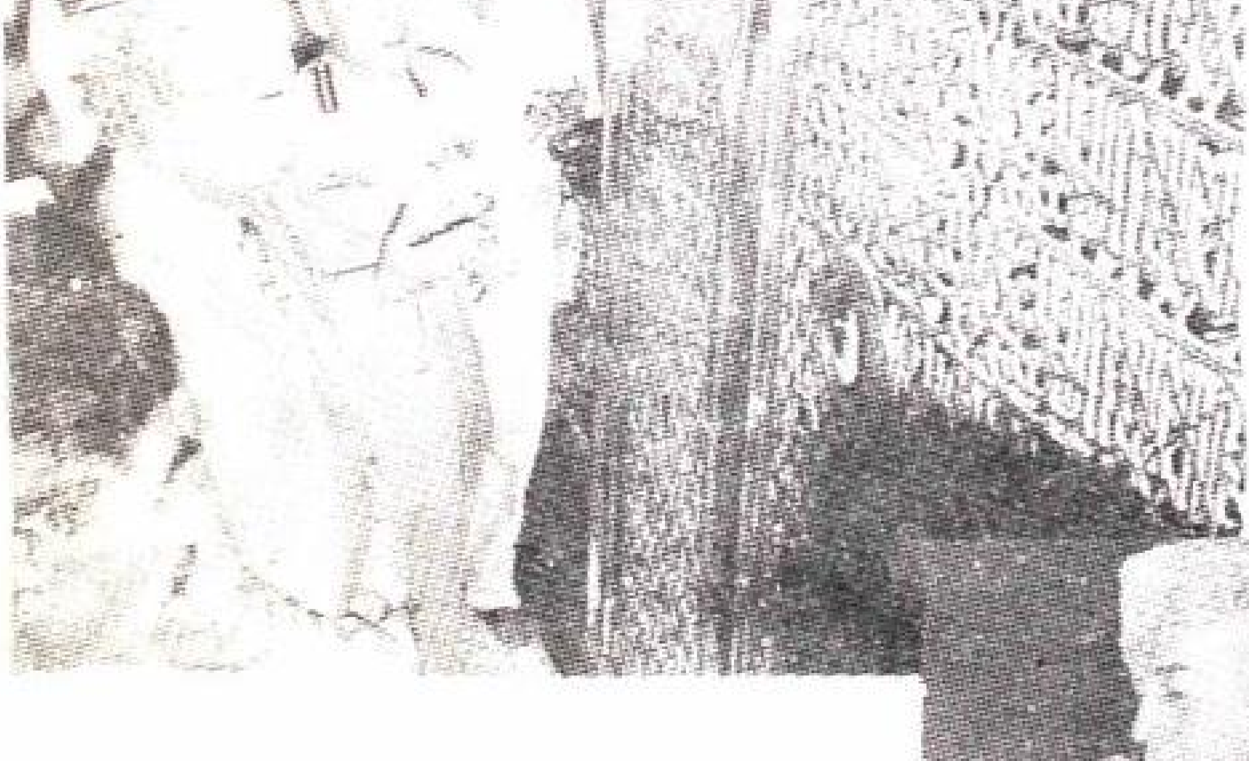
الجزائر کی جامع مسجد میں صدر بومیدین مرحوم اور جناب بھٹو نے عیدالاضحیٰ کی نماز ایک ساتھ ادا کی

پوری عرب دنیا کے مسائل سے بھٹو کو گہری دلچسپی تھی
اردن کے شاہ حسین کے ساتھ محوِ گفتگو





کچھ فساد پیشہ لوگوں نے مرحوم بھٹو پر
بے دین ہونے کا الزام لگایا، جو
سرتاسر بے بنیاد تھا ——— برابر
کی تصویر میں مرحوم عُمرہ کا مقدس
مذہبی فریضہ ادا کرتے ہوئے دیکھے
جا سکتے ہیں۔



خانۂ کعبہ کے سامنے اپنے
خدا کے حضور میں۔ خشوع،
خضوع کے ساتھ



خانۂ کعبہ میں نماز ادا کرنے کی سعادت خدا نے
انہیں عطا فرمائی۔

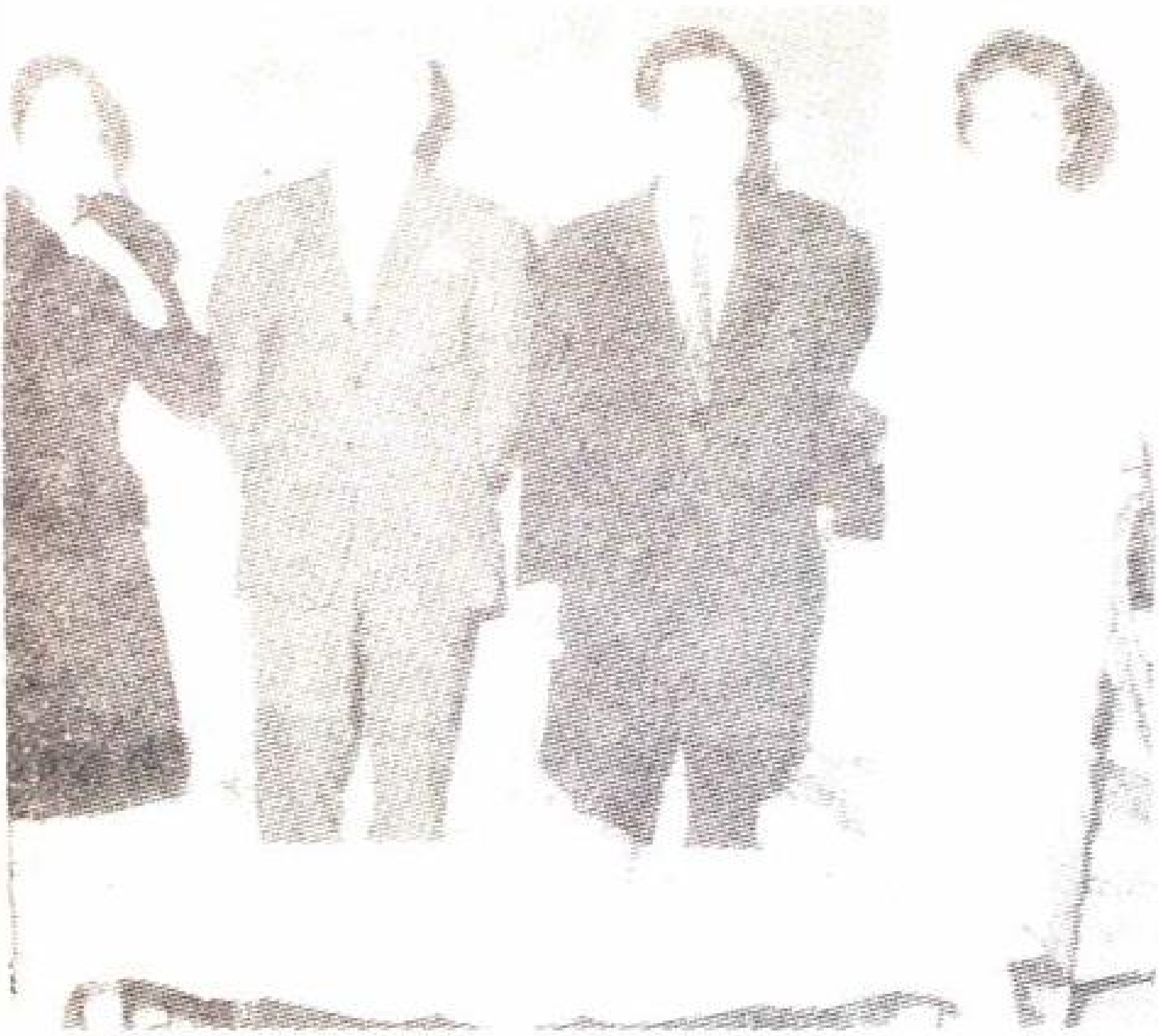


اسلامی اتحاد جو سعودی عرب کے شاہ فیصل کا ایک مقدس خواب تھا ـــــ مرحوم بھٹو نے اس خواب کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔



اوپر دائیں طرف : شام کے صدر حافظ الاسد کے ساتھ
بائیں طرف : فلسطینی رہنما یاسر عرفات کے ہمراہ
نیچے : شاہ فیصل کے دوش بدوش،





مرحوم بھٹو اپنے مخلص دوست
صدر قذافی کے ساتھ لیبیا میں
وزیراعظم بھٹو کی شہادت پر
لیبیا میں سرکاری سطح پر سوگ
منایا گیا۔

بیگم نصرت بھٹو، کچھ غیر ملکی خواتین کے درمیان جن کے چہروں سے انہیں اپنے نزدیک پاکر مسرت پھوٹی پڑ رہی ہے۔

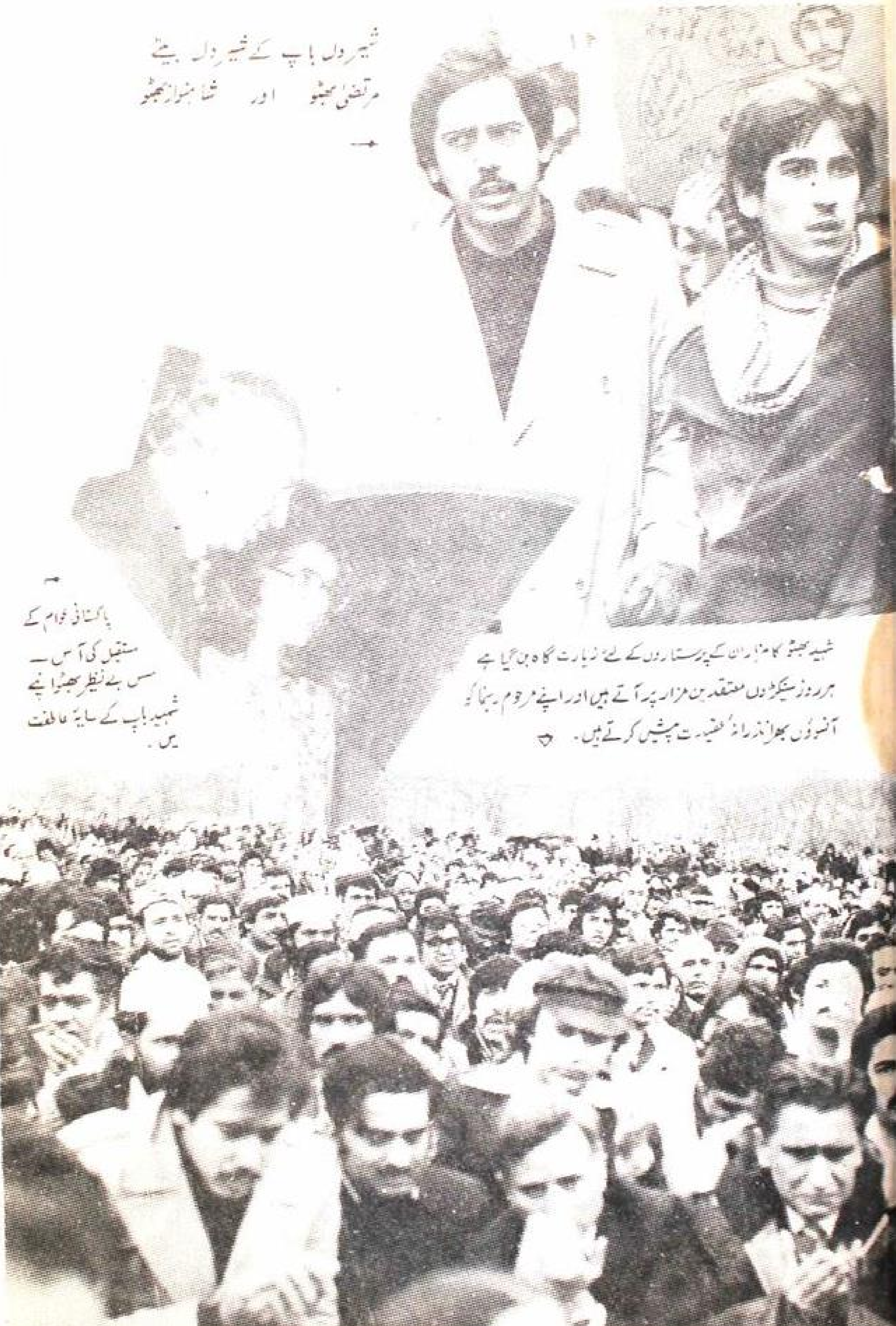




بیگم نصرت بھٹو
عوامی فلاح وبہبود کے
کاموں میں اپنے مرحوم
شوہر کی طرح ہی سرگرم
حصہ لیتی رہی ہیں۔ انھوں
نے عوام کے درمیان
جاکران کے دُکھ درد کو
سمجھا ہے اور اپنے ملک
کے عوام خصوصاً پاکستانی
خواتین کی بے لوث
محبت اور مستحکم اعتماد
حاصل کیا ہے۔



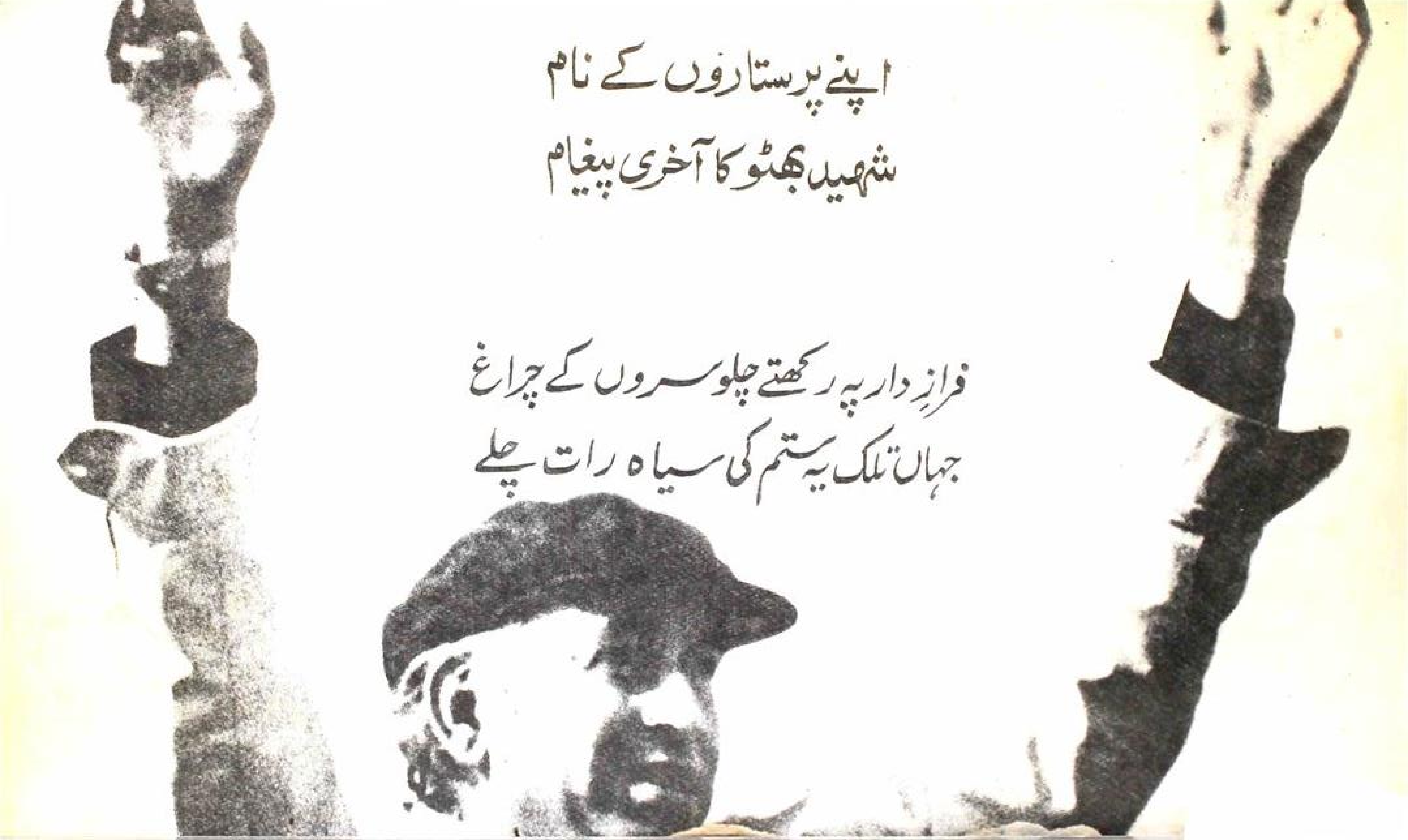




شیر دل باپ کے شیر دل بیٹے
مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو

پاکستانی عوام کے
مستقبل کی آس ۔
مس بے نظیر بھٹو اپنے
شہید باپ کے سایۂ عاطفت
میں ۔

شہید بھٹو کا مزار ان کے پرستاروں کے لیے زیارت گاہ بن گیا ہے
ہر روز سینکڑوں معتقدین مزار پر آتے ہیں اور اپنے مرحوم رہنما کو
آنسوؤں بھرا نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔


اپنے پرستاروں کے نام
شہید بھٹو کا آخری پیغام
فرازِ دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے